دینی علمی اور روحانی اردو رسالہ

ماہنامہ

اشرف العرفان

دربھنگہ

مدیر مسئول:- حکیم عبد المنان الصدیقی

مقام اشاعت

مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ

رجسٹرڈ نمبر ۲۳(۳) ۷۶۸

خصوصی اعانتیں	ماہنامہ **اشرف العرفان** دربھنگہ	بدل اشتراک
سرپرست حضرات سے یکمشت ۱۰۰ روپے	ایڈیٹر حکیم عبدالمنان الصدیقی	عام خریداروں سے ساڑھے چھ روپے سالانہ
اراکین سے یکمشت ۵۰ روپے	فی پرچہ ۶۰ پیسے	عام معاونوں سے ۱۰ روپے سالانہ
خصوصی معاونین سے یکمشت ۲۵ روپے		غریب طلباؤں سے ۵ روپے سالانہ

شمارہ ۶ — شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ - مطابق نومبر ۱۹۶۸ء — جلد ۱

اس شمارے میں

● ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر حکیم عبدالمنان الصدیقی نے "لیبل لیتھو پریس" رمنہ روڈ، پٹنہ ۴ سے چھپوا کر دفتر "اشرف العرفان" مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوسری، بیلا (دربھنگہ) سے شائع کیا

نقوشِ تاثر

"اشرف العرفان" کے توسیع اشاعت کے سلسلہ میں ابھی حال ہی میں راقم الحروف کلکتہ کا سفر کیا ہے۔ بڑی ناشکری ہوگی اگر اپنے محسنوں اور محض لوجہ اللہ محبت کرنے والوں کا ذکر نہ کروں۔ پہلی اکتوبر کو گیارہ بجے دن میں اپنے رفقاء سفر جناب حافظ منظور عالم صاحب مدرس مدرسہ اشرفیہ اور عزیزم حافظ عبدالرحمٰن صاحب سلمہٗ متعلم مدرسہ کی معیت میں اقبال پور روڈ کلکتہ ۲۳ پہنچ کر جناب مولانا حافظ مقیم الدین صاحب کی قیامگاہ پر اترا۔ موخرالذکر ضلع دربھنگہ کے ہی رہنے والے ہیں اور خضر پور اردو ہائی اسکول کے معلم، سولہ آنہ مسجد کے امام ہیں۔ آپ جوان، صالح، ذی ہوش اور خوش اخلاق، فاضل، حافظ اور قاری بھی ہیں۔ آپ کے ملنے والے آپ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ نے ہمارے چھوٹے سے قافلہ کے لئے اپنا کمرہ خالی کر دیا اور "اشرف العرفان" کے سلسلے میں اپنے ذی علم دوستوں سے ملا کر توسیع اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔ جب تک وہاں قیام رہا نہایت ہی محبت و حسن اخلاق سے پیش آتے رہے۔ میں جناب مولانا حکیم عبدالقادر صاحب مدظلہٗ، جناب کلیم الدین صاحب شمس کونسلر اور جناب جان عالم سیف صاحب کو بھی کبھی نہ بھولوں گا جنہوں نے "اشرف العرفان" کو نہایت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ہماری ہمت افزائی فرمائی۔ موخرالذکر موصوف نے تو اپنے مضامین کی اشاعت کے لئے "اشرف العرفان" کو بیحد پسند فرمایا اور ایک انوکھے انداز سے فرمایا کہ :۔

"میرے مضامین دیکھ لیجئے۔ اگر آپ کو پسند آئیں، تو شریک اشاعت فرمائیے" اپنے گھر لے گئے، ناشتہ سے ضیافت کی۔ اپنے مطبوعہ مضامین کے رسالے میرے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ غیر مطبوعہ پروف دکھلائے۔ اپنی بعض تصنیفات ہدیتہً عنایت فرمائیں آپ کیسا لکھتے ہیں اور کیا کچھ لکھتے ہیں؟ اس کا اندازہ تو آپ کو اسی شمارے کے ایک تاریخی عنوان "موہن جوداڑو" سے خود ہی ہو جائے گا، نہ صرف آپکے مضامین ہی پسند آئے، بلکہ آپ کی یہ منکسرانہ ادائیں میرے دل کو لگیں، جس سے متاثر بھی ہوں اور شکر گذار بھی۔

میں اپنے عزیز سید شاہ منظر حسن صاحب سلمہٗ مالک آزاد ٹی کمپنی ہواسٹریٹ کلکتہ کا بھی بیحد شکر گزار ہوں کہ آپ نے باوجود ہمہ دم مشغولیات کے اپنے قیمتی وقت کا بہت سارا حصہ "اشرف العرفان" کے تعارف، تعاون اور توسیع اشاعت پر صرف کیا۔ بہت سے احباب سے ملایا اور بغیر میرے تعاون کے خریداروں میں معتدبہ اضافہ کیا۔ پھر چلتے وقت مزید یہ احسان کیا کہ خریداری رسید کی ایک جلد مزید نئے خریدار بنانے کے لئے اپنے پاس رکھ لی۔ باقی اخلاق و محبت نرالی بات تو کچھ وراثت ہی میں ملا ہے۔ اسکے

ذکر کیا کروں، حق تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

موصوف ہی کے واسطے سے ایک نئے مخلص سے بھی رابطہ پیدا ہوئے، جن کا نام ہے جناب حبیب الرحمٰن صاحب۔ مونگیر ضلع کے رہنے والے، قد کے چھوٹے، نہ دبلے، پتلے اور نہ بہت موٹے، حُسن اخلاق کے پتلے، محض لوجہ اللہ اور بے غرض محبت کرنے والے، جن سے مل کر دل بیحد خوش ہوا اور جن کی خدمات پر روئیں روئیں سے دعائیں نکلیں، ابھی ابھی کل ہی ان کا ایک خط ملا ہے۔ پڑھ کر پھر دعا نکلی اور بیساختہ یہ شعر پڑھ دیا: ؎

از دست گدائے بینوا ناید ہیچ　٭　جز ایں کہ بصدق دل دعائے بکند

آپ نے قیام کلکتہ کے دوران بھی "اشرف العرفان" کے لئے بہت کچھ کیا ہے اور آج جبکہ میں آپ کی نظروں کے سامنے نہیں ہوں، برابر کہہ رہے ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو بھی دیسا ہی جزا عطا فرمائے۔ آپ بھی کچھ لکھتے ہیں۔ مستقبل قریب میں ہی خود ہمارے قارئین انہیں پڑھ لیں گے۔

بڑی ناشکری ہوگی۔ اگر میں برادر عزیز جناب مولوی سید شاہ عبد العلیم صاحب سلمہ ۴۵ اپی چترنجن ایونیو کا ذکر بھلا دوں "اشرف العرفان" کے شمارے دیکھ کر انہیں جو مسرت ہوئی اور جس جذبۂ اخلاص و محبت سے انہوں نے کہا کہ "میں تو سو روپے کی سرپرستی لوں گا" وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ دس روپے کی معاونت کی رسید میں نے کاٹ دی تھی۔ اسے کٹوا کر سو روپے لکھوائے۔ واہ رے محبت اور ہمت، اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ ہاں میں نے آپ کو مولوی لکھ دیا ہے۔ آپ دراصل انگریزی تعلیم یافتہ ہیں۔ غالباً آئی اے۔ یا بی اے تک کی تعلیم ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے دین کا صحیح ذوق عطا فرمایا ہے۔ خاموش طبیعت، نہایت ہی ذی ہوش، مدبر اور ذہین و فہیم ایکسرم کے مینجر ہیں، مگر معتمد ایسے جیسے پیر یا استاذ!

مجھے بار بار جناب سید محمد ظہیر صاحب ساگر دت لین کلکتہ ۱۲ کی یاد آ رہی ہے کہ آپ نے ذرہ نوازیاں اور عنایت فرمائیں کے علاوہ خود معاونت خصوصی کی رقم مبلغ ۲۵ روپے (دو سال) کے لئے عطا فرمائی۔ ایک اور صاحب کو تعاون پر آمادہ کیا اور نہایت ہی محبت و اخلاص سے پیش آئے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

ہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جناب قاضی محمد یونس صاحب پُوار بگان لین اور ان کے صاحبزادے حسنین سلمہٗ، دونوں نے "اشرف العرفان" کے توسیع اشاعت میں بڑی جدوجہد کی اور کثیر الاشغال ہونے کے باوجود اپنا وقت دیکر چند خریداروں کا اضافہ کیا۔

ہم اپنے کرمفرما جناب میاں جان و جناب صاحب جان صاحب تاجران حرم ہری اسٹریٹ اور ان کے عزیزوں کے دل سے شکرگذار ہیں کہ "اشرف العرفان" کی تعاون اور تعارف کے علاوہ آپ حضرات نے خصوصی دعوتوں سے نوازش فرمائی اور اپنی کوٹھی پر نہایت ہی اشتیاق و محبت سے بلا کر عزت افزائی کی۔ علاوہ ازیں اول الذکر جناب میاں جان صاحب نے مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا ضلع دربھنگہ کی عظیم الشان زیر تعمیر دو منزلہ عمارت کا ایک کمرہ اپنی ذات خاص سے بنا دینے کا وعدہ کر کے ہمارے عزائم بلند کئے۔ اس ایک کمرہ کی لاگت کا تخمینہ چار ہزار روپے کا ہے۔ جسے آپ قسطوں میں ادا کرینگے۔ آپ کے چھوٹے بھائی صاحب جان سے بھی کئی امید ہے کہ اپنی

رف سے ایک کمرہ بنوانا منظور کرلیں گے۔ گو آپ نے ابھی وعدہ نہیں کیا ہے۔ حق تعالیٰ ان حضرات کے کاروبار میں ترقی عطا فرمائیں، تاکہ ایفاء عہد میں سہولت ہو۔ ان حضرات کے ایک نوجوان عزیز بابو الٰہی بخش صاحب سلمہٗ نے یہ وعدہ کرلیا ہے کہ میں خود مدرسہ کی تعمیر جدید کے لئے اپنی پارٹیوں سے انفرادی تعاون کراتا رہوں گا، جو اس خصوصی وعدہ کے علاوہ ہوگا۔ حق تعالیٰ ان سبھی حضرات کے حوصلے بلند فرماتا رہے اور مزید توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین

ان مخصوص حضرات کے علاوہ اور بھی ہمارے بہت سارے محسنین و معاونین ہیں۔ ہم سبھی حضرات کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنی طرف سے اتنا کہتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں: ؎

از دست گدائے بینوا نایدہیچ جز اینکہ بہ صدق دل دعائے بکند

———•●•———

پیش نظر شمارہ مسلسل اسفار کی وجہ سے والد بزرگوار حضرت مولینا محمد عارف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر ہم کچھ بھی نہ لکھ سکے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دسمبر سے پھر مسلسل اس عنوان پر مضامین پیش کئے جائیں گے۔ اہل محبت سے معذرت خواہ ہوں۔ بعض الجھنوں اور مخصوص پیچیدگیوں کے باعث اکتوبر کا شمارہ بھی ہم اپنے کرمفرماؤں کی خدمت میں وقت پر نہ پہنچا سکے اور مجبوراً تاخیر سے روانہ کرنا پڑا۔ امید ہے معذور سمجھا جاؤں گا۔ انشاء اللہ اب ہر مہینہ انگریزی کی ۶-۷ تاریخ کو "اشرف العرفان" ڈاک کے حوالہ کردیا جایا کرے گا۔

———•●•———

یہ سنکر ہمارے معاونین، خریداروں، اراکین اور سرپرست حضرات کو بیحد مسرت ہوگی کہ مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو پی۔ ایم۔ جی۔ آفس بہار سرکل پٹنہ سے ہمیں آپ کے محبوب رسالہ "اشرف العرفان" کے لئے پوسٹل لائسنس دیدیا گیا ہے جس کا نمبر رجسٹری پی۔ ٹی ۱۰۵ ہے اور جس کی رو سے ہم بجائے ۱۵ پیسوں کے صرف پانچ پیسوں میں اپنے خریدار وں کے نام رسالہ بک پوسٹ سے بھیج سکیں گے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک وعلیٰ کل نعمائہ

جن حضرات کو اجتماعی رجسٹری ڈاک سے پرچہ بھیجا جا رہا تھا۔ اب آئندہ ماہ سے ان سبھی حضرات کی خدمت میں بذریعہ بک پوسٹ انفرادی طور پر رسالہ بھیجا جائے گا۔ اس لئے سبھی حضرات اپنے متعلقہ پوسٹ آفس میں پہلے بنات خود رابطہ قائم کریں اور اپنی ڈاک خود وصول فرمائیں۔

نومبر ۱۹۶۸ء سے سبھی حضرات اس کا خیال رکھیں کہ اگر مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو محکمہ ڈاک سے شکایت کرنے کے علاوہ بذریعہ خط دفتر کو اطلاع کردیں، تاکہ دوبارہ پرچہ بھجدیا جائے۔ ۲۵ تاریخ کے بعد آنیوالے خطوط کی شکایتوں کی تلافی کرنے سے ہم معذور ہوں گے۔ اپنے ہر خط میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں، ورنہ تعمیل حکم میں دشواری ہوگی۔ اگر آپ کے پاس خریداری نمبر نہ ہو تو جوابی کارڈ بھیجکر دفتر سے طلب فرمائیں۔

"مدیر"

(بسلسلۂ سابق)

طریق کار

از مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتحپوری

علامہ شعرانی رحمہ نے الیواقیت والجواہر میں اس مضمون کو بہت ہی عمدہ طریق سے بیان فرمایا ہے اسکو یہاں ہم بعینہ نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ

لکن اللہ العارفین لهم اجر نیتهم وقصدهم المصالح من نفع المریدین وضعوة من الحقائق الکاشفة لمشکلات علم التوحید وامراض القلوب ومن فوائد تدوینهم تلقیح قلوب الناظرین فی رسائلهم من تلک المعانی بما یرقیهم ویبعث سحائب الرحمة علی قلوبهم وعلی السنتهم فتشرق ارض قلوبهم بنور رشدهم وتحیا باثر هدایتهم فنابت عنهم رسائلهم بعد موتهم فی نفع المریدین۔ وکان تدوین معارفهم واسرارهم من الحق الحقوق علیهم لکون غیرهم مقامهم فی تدوین دواء امراض القلوب وآداب حضرات الحق تعالے فی جمیع الامور المشروعة فان لکل مقام حضور اوادبا یخصه

(صفہ ۲۲ الیواقیت ج ۱)

اسی طرح سے عارفین بھی ہیں کہ ان کو ان کی نیتوں کا اجر اور ان کے قصد صالح کا ثواب ملے گا اور وہ یہ کہ طالبین کو ان کی بیان کردہ حقائق سے نفع پہنچے گا جو کہ علم توحید اور امراض قلوب کی مشکلات کو کشف کرنے والی ہیں ۔ اس کے بعد تدوین کے قواعد بیان کرتے ہیں کہ ان کی تدوین کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے بعد جو لوگ ان کے رسائل کو دیکھیں تو ان کے قلوب ان کے مضامین سے بھر جائیں جو ان رسائل میں ہے پس ان معنی کے سبب وہ ترقی کر سکیں اور رحمت کے بادل ان کے قلب و زبان پر اٹھیں اور ان کے قلوب کی زمین ان کے رشد کے نور سے منور ہو جائے اور ان کے ہدایت کے اثر سے زندہ ہو جائیں پس ان کے رسائل ان کی وفات کے بعد ان کی نیابت کریں اور اپنے معارف اور اسرار کی تدوین ان کے ذمہ سارے حقوق سے بڑھ کر لازم اور ضروری تھا اس لئے کہ ان کا غیر امراض قلوب کی دوا بیان کرنے میں اور جملہ امور مشروعہ میں حق تعالےٰ کے آداب بیان کرنے میں ان کی قائم مقامی نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ ہر ایک کو حق تعالےٰ کی نسبت اور آداب میں ایک خاص مقام حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ۔

دیکھئے فرمارہے ہیں کہ ان حضرات کی نیت اپنے تصانیف سے علم توحید اور امراض قلوب کی مشکلات کو دور کرنا تھا اس لئے یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ان

علوم کو اپنے ساتھ لے کر چلے جائیں گے تو بعد میں آنے والے لوگ ان کی توضیح اور تبلیغ پر اس درجہ قادر نہ ہوں گے اس لئے ان لوگوں نے یہ خیال کیا کہ ہم نہ ہوں گے تو ہماری قائم مقام ہماری کتابیں ہی کریں گی اور اگر کتابیں بھی نہ ہوں گی اور ہم بھی نہ ہوں گے تو علوم بھی مردہ ہو جائیں گے اس لئے کہ علم الموت موت العالم یعنی عالم کی موت علم کی موت ہوا کرتی ہے اگر اس نے اپنے علوم کو مدون نہ کیا ہو۔

دیکھا آپ نے موت العالم موت العالم تو بہت مشہور مقولہ ہے یعنی عالم کی موت زمانے کی موت ہے لیکن یہ جملہ اس سے بھی بلیغ ہے کہ موت العالم موت العلم۔ عالم کی موت گویا علم کی موت ہے لوگ اس کو بھی نہیں سمجھتے۔ یہ میں علماء کو خطاب کر رہا ہوں جو ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیسے کام کریں اور یہ چاہتے ہیں کہ ایک ہی آدمی تمام ہندوستان میں گھومتا پھرے میں انہیں طریقہ کار بتلا رہا ہوں کہ ایک آدمی کے بس کی بات نہیں ہے اس میں بہت کام کرنے والے ہونے چاہئیں لہٰذا کام کرو اور طریقہ بھی ہے اگر خود کچھ کام کر سکتے ہو اور لوگوں کو راہ ہدایت پر لگا سکتے ہو تو خود کرو ورنہ بزرگوں کی کتابوں کو ہی سناؤ اور لوگوں کو علم توحید تو بہت مشکل چیز ہے امراض قلوب ہی سمجھاؤ بزرگوں نے اپنے پاس آنے جانے والوں کو امراض قلوب سمجھایا ہے اور اسی سے ان کی اصلاح کی ہے والیٔ ملتان نے ایک شخص کے ذریعہ بابا فرید شکر گنج رح کی خدمت میں ہدیہ بھیجا اس نے یہ کیا کہ آدھا رکھ لیا اور آدھا حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا بھائی برادرانہ تقسیم تو ٹھیک نہیں ہے آج کل کے لوگ ہوتے تو خفا ہو جاتے کہ ہم کو متہم کرتے ہیں وہ شخص ڈر گیا اور جو نصف رقم رکھ لی تھی وہ بھی لا کر حضرت کو پیش کر دی حضرت نے یہ کیا کہ اس سے فرمایا کہ بھائی مجھے رقم مقصود نہیں ہے میں آخر کسی کو دے دیتا اس لئے اب تمہیں کو دیتا ہوں اس کو اپنے پاس رکھے رہو اور یہ جو نصف بھی تمہیں لے جاؤ مجھے تو صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ ہم لوگوں سے اس قسم کی چال نہیں چلنا چاہئے اس شخص نے جب یہ دیکھا کہ ایسے بڑے صاحب کشف بزرگ ہیں کہ فوراً چوری پکڑ لی تو بہت نادم ہوا اور معافی مانگی اور حضرت سے بیعت کی درخواست کی حضرت نے مرید کر لیا چند دنوں اپنے پاس رکھا اور تکمیل کے بعد فرمایا کہ جاؤ ملتان کی ولایت تم کو دیتا ہوں۔ دیکھئے قلب کی اصلاح کر کے اور صدق و خلوص اختیار کر کے یہ شخص دین بھی پا گیا اور دنیا بھی لے گیا۔

اور جس طرح ان بزرگوں نے کشف کے ذریعہ اس کے چور کو پکڑ لیا جس کی وجہ سے اس کی اصلاح ہو گئی اسی طرح سے ہر زمانہ میں بزرگوں نے اپنی فراست سے اور صفائی باطن کے ذریعہ لوگوں کے قلبی چور پکڑا ہے۔ ایک بزرگ نماز پڑھ رہے تھے سلام پھیرا تو خادم نے اطلاع دی کہ حضرت بادشاہ آئے ہے انھوں نے سن لیا اس کی طرف التفات نہیں کیا اور پھر نماز کی نیت باندھ لی خادم نے واپس آکر بادشاہ سے کہدیا کہ میں نے آپ کی اطلاع تو کر دی حضرت نے کچھ فرمایا نہیں اور نماز کی نیت باندھ لی بادشاہ کو خیال ہوا کہ شاید یہاں آکر کے اجازت طلب کرنا پسند نہ ہوا ہو اس لئے خود ہی اندر چلا گیا وہ بزرگ بہت تپاک سے ملے سیب منگایا اور خود اپنے ہاتھ سے کاٹ کاٹ کر اس کو کھلانے لگے ان میں ایک سیب ذرا بڑا تھا اس کے متعلق بادشاہ نے دل میں خیال کیا کہ اگر ان کے قلب میں روشنی ہے تو یہ سیب مجھے دے دیں گے۔ دیکھتے ہیں آپ ان بزرگ کا امتحان لینے لگے بس یہی رہ گیا ہے اسی قسم کی لوگ بے ادبی بیان تو مشائخ سے کرتے ہیں اور ان کے فیض سے محروم رہتے ہیں اپنی آنکھ کی روشنی کی خبر تو نہیں ہے اور دوسرے کے قلبی نور کا امتحان کرنے کے لئے تیار۔ خیر ادھر بادشاہ کے دل میں یہ خیال گذرا ادھر ان بزرگ نے ان سے مخاطب کر کے کہا کہ سنو ایک درازگوش تھا وہ یہ تماشہ کیا کرتا تھا کہ مجمع میں لوگ اسے دکھلا کر کوئی چیز مثلاً انگوٹھی، گھڑی وغیرہ اس کی نظر بچا کر کسی شخص کے پاس رکھ دیتے اور اس درازگوش کی آنکھ پر پٹی باندھ کر چھوڑ دیتے تھے وہ ہر شخص کے پاس جاتا تھا اور اس ہر شخص کو سونگھتا تھا جس کے پاس وہ چیز ہوتی ہے اس کو

سر سے مارنے لگتا تھا اس قصہ کو سنا کر فرمایا کہ اب اگر میں بھی اپنے کشف کو ظاہر کرتا ہوں تو دراز گوش کے برابر ہوتا ہوں اور اگر نہیں ظاہر کرتا تو تم کہو گے کہ درویش کے قلب میں نور نہیں ہے یہ کہہ کر اس بڑے سیب کو بادشاہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تو میں یہ تم کو دیتا ہوں دیکھا آپ نے مشائخ کے ساتھ ہر زمانہ میں اس قسم کا معاملہ اہل دنیا نے کیا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تین شخص گئے ایک خاص لباس میں ان میں سے ایک کہا کہ ہم تو اس لباس میں قصداً پہن کر چل رہے ہیں تاکہ تکلیف ہو بقیہ دو نے کہا کہ ہم تو بزرگ سمجھ کر ان کی ملاقات کو جا رہے ہیں حضرت کے یہاں پہونچنے پر ان کی نیت کے مناسب ان کے ساتھ معاملہ ہوا یعنی ان دونوں کو تو بلا کر پاس بیٹھایا اور اس شخص پر جس نے کہا تھا کہ ایذا پہونچانے کے لئے اس لباس میں جا رہا ہوں بہت زور سے خفا ہوئے اور ڈانٹ کر نکال دیا۔ صریح کشف تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لوگ راستہ میں باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے وہیں موجود تھے۔ اسی طرح ایک شخص نے اپنا کوئی حال لکھا اور کسی نہایت ہی سخت معصیت کے صدور کا ذکر کیا تھا اور حاضری کی بھی اجازت چاہی تھی حضرت نے اجازت تو دے دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ یہاں آکر مجھ سے یہ نہ کہنا کہ میں فلاں شخص ہوں چنانچہ وہ آیا۔ حضرت اس کی شکل دیکھتے ہی بڑے زور سے تڑپے اور اسے خانقاہ سے باہر نکال دیا معلوم نہیں کیسے جان لیا کہ یہ وہی شخص ہے۔

اس قسم کے واقعات روز دیکھنے میں آتے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے کس قدر نور اس کے سینے میں رکھا تھا۔ لوگوں کا اعتقاد درست ہو جاتا تھا بزرگوں کے یہاں جا کر عقیدت ہی تو درست کرنے کی چیز ہے۔ ع

"عقیدت کو کرو کامل دکھاؤ جا کے نبض دل"

چنانچہ جو حضرات بزرگوں کے یہاں اس طور سے گئے وہ کامیاب ہو گئے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک مولوی صاحب بہت بولا کرتے تھے وہی امراض قلوب چنانچہ اہل علم کا مرض یہی ہے حضرت نے ان کی اصلاح فرمانے کے لئے یہ کہا کہ ہمارے مولوی صاحب بولتے بہت ہیں پھر اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ انشاء اللہ اب نہ بولینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہم لوگوں نے دیکھا کہ مولوی صاحب بالکل خاموش ہو گئے اور خود وہ کہتے تھے کہ چاہتا ہوں بولوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی زبان پکڑ لیتا ہو۔ یہ اس پر سنا رہا ہوں کہ کاملین ہر زمانہ میں ہوتے ہیں لیکن فائدہ انہیں کو ہوا ہے جو ان کی خدمت میں عقیدت کے ساتھ گئے ہیں اور یہ سلسلہ تو شروع ہی سے چلا آرہا ہے۔ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بو العجبی ست

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے حسن نے بصرہ سے آکر بلال نے حبش سے آکر اور صہیب روم سے آکر مستفیض ہوئے لیکن اسی مکہ کی سرزمین میں ابوجہل کو کچھ بھی نفع نہ ہوا کس قدر حیرت کی بات ہے۔ حضرت مولانا کے واقعات میں آپ کے سامنے بیان کئے کہ ان کے اندر اتنا نور تھا اسی کی روشنی سے سب کو دیکھتے تھے اور اسی کی مناسب معاملات فرماتے تھے اس پر لوگ بد اخلاق کہتے تھے جو چیز کسی بزرگ کا عین کمال ہو اس کو نقص قرار دیا جائے کتنے افسوس کی بات ہے اور کس قدر محرومی کی بات ہے لوگوں نے اس زمانہ میں للو پتو کا نام اخلاق رکھ لیا ہے اس زمانہ میں دھرا ہے اخلاق بہت نرم ہو گئے اخلاق ختم ہوئے۔

مجھے لوگ جگہ جگہ سے بلاتے ہیں ابھی ایک صاحب اپنے وطن گئے ہوئے تھے کہتے تھے کہ ہمارے یہاں کے لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ایک ہفتہ کے لئے یہاں آجائے تو لوگوں کو بہت نفع ہو جاتا اسی طرح ایک دوسرے قصبہ کے بارے میں بھی کہتے تھے کہ وہاں کے لوگوں نے بھی کہا کہ کچھ دنوں کے لئے یہاں آجائے تو بڑا اچھا ہوتا اور ایک صاحب نے تو مجھے یہ لکھا کہ گرمی میں بمبئی گئے ہیں تو سردی میں ہمارے یہاں تشریف لائیے اس کے متعلق کہتا ہوں کہ ہمارے بلانے سے کیا مقصد ہے اگر کام چاہتے ہیں تو یہ کام کا طریقہ نہیں اور نہ اس طریقے سے کام ہو سکتا ہے بلکہ کام کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں ایسے علمائے اور مشائخ موجود ہیں جو کام کے اہل ہیں لوگوں کو فیض پہنچا سکتے ہیں وہ خود کام کریں اور جہاں ایسے لوگ نہیں ہیں وہاں کے جو پڑھے لکھے لوگ ہیں وہ مشائخ معتبرین کی تصانیف لوگوں کو سنائیں اور اس کے ذریعہ سے دین کو سمجھائیں اور لوگوں میں اثر پیدا کریں ابھی آپ کے سامنے علامہ شعرانی کے کلام سے دکھایا کہ بزرگوں کا کلام بھی ان کے بعد انکا نائب ہوتا ہے اور نائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کی صحبت موثر ہوتی ہے اسی طرح ان کا کلام بھی موثر ہوتا ہے لیکن صحبت کا فائدہ تو صرف ان کی حیات ہی میں اٹھایا جا سکتا ہے مگر ان کے کلام سے نفع ان کے حیات میں بھی ہوتا ہے۔ اور بعد وفات کے بعد بھی ہوتا ہے آپ کے سامنے مثال کے طور پر حضرت مولانا تھانویؒ ہی کو پیش کرتا ہوں کہ حضرت کی صحبت سے لوگوں کو کتنا نفع پہونچا اسی طرح حضرت کے کلام اور تصانیف اور ملفوظات سے بھی آپ کی حیات ہی میں بھی کتنے لوگ فیض یاب ہوئے اور اب حضرت کے بعد بھی ان کا نفع جاری ہے۔ البتہ یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس گفتگو سے تو مشائخ کے کلام کا فضل اور نفع معلوم ہوا ہے لیکن جب دین میں اس کا یہ درجہ ہے تو پھر اللہ تعالےٰ کے کلام یعنی قرآن شریف کا فائدہ اور نفع تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا تو اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ اس میں تو کلام ہی نہیں کہ چشمہ ہدایت کتاب اللہ ہی ہے اور اس کے بعد احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن تمام لوگوں کے لئے براہ راست کتاب اللہ سے منتفع ہونا آسان نہیں ہے اس لئے کہ نہ ان میں استعداد ہوتی ہے اور نہ مناسبت ہی ہوتی ہے لہذا دین سے دکتاب وسنت سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مشائخ کا کلام پڑھیں اور سنیں اور اسی کو کتاب وسنت سے مناسبت کا ذریعہ بنائیں پھر جب مناسبت ہو جائے تو اصل راہ تو کتاب وسنت ہی ہے کتاب اللہ کی تلاوت کرنا اس کے معنی میں تدبر کریں اور اللہ تعالےٰ کی معرفت میں ترقی حاصل کریں۔

ایک بات یہ سمجھئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خلفاء چھوڑے جنہوں نے آپ کی صحیح ترجمانی کر کے دین کو آگے بڑھایا اسی طرح سے مشائخ نے بھی اپنی تعلیمات کو (کہ دراصل وہ خدا اور رسول کی ہی تعلیمات ہیں) اپنے بعد باقی رہنے کے لئے انسانوں میں خلفاء مقرر کئے اور خلیفہ اور نائب کا یہی مفہوم آج تک آپ کے ذہن میں رہا ہوگا لیکن آج آپ کو یہ معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء اور مشائخ کے خلفاء انسانوں میں سے کچھ لوگ ہوئے ہیں اسی طرح سے ان کا کلام بھی ان کا خلیفہ ہوتا ہے بلکہ یہ خلفاء بھی اسی بات کے لئے ہیں کہ ان کی تعلیمات کو ان کے بعد باقی رکھیں پس ان کے بعد اصلی چیز ان کی تعلیمات ہیں کسی آدمی کے ذریعہ باقی رہیں تو وہ خلیفہ ہے اور کتاب کے ذریعہ باقی رہیں تو وہ خلیفہ ہے بہرحال میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر اصل سے فیض حاصل کرنا ممکن نہ ہو سکے تو فرع اور خلیفہ سے ہی نفع حاصل کرو جو قوت تاثیر میں گو اصل کے برابر نہ ہوتا ہم اس کی جانب رجوع ہوئے بغیر چارہ کار ہی کیا ہے ؎

چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب ‏ بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

چونکہ شد خورشید ما را کرد داغ
چارہ نبود در مقامش جز چراغ

(ترجمہ) یعنی جب کہ (گلاب کا) پھول باقی نہیں رہا اور گلستان ہی ویران ہوگیا تو اب پھول کی خوشبو بجز (عرق) گلاب کے اور کہاں سے حاصل کریں اس طرح سے آفتاب چھپ گیا اور دوائی کا داغ ہم کو دے گیا تو اب اس کی جگہ سوائے چراغ سے روشنی حاصل کرنے کے چارہ کار ہی کیا ہے۔

پس جب بزرگوں کو نہیں پایا پایا اور ان سے فیض نہیں اٹھایا تو سوائے اس کے چارہ کار ہی کیا کہ ان کی تصانیف کو لیا جاوے اور ان کے کلام سے فائدہ اٹھایا جائے کیوں کہ ان کا کلام ہی ان کا نائب ہے اور لوگوں کی نفع پہونچانے میں ان کی صحبت ہی جیسا اثر رکھتا ہے اس لئے کہ کسی کی صحبت مؤثر اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ شخص خود کامل ہوتا ہے اور جن باتوں کو دوسرے سے کہتا ہے خود اپنے قلب میں اس کا اثر لئے ہوتا ہے اللہ تعالےٰ کے تعلق و محبت اور اس کے عرفان سے اس کا قلب بھرا ہوتا ہے اس لئے جو شخص اس کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کا قلب بھی اس کے قلبی اثر سے متلون ہو جاتا ہے بس اسی طرح کلام کا بھی اثر ہوتا ہے کیونکہ کسی کا کلام حقیقتاً اس کے قلب ہی کا ترجمان ہوتا ہے چنانچہ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

انّ الکلام لفی الفواد وانما
جعل اللسان علی الفواد دلیلاً

بلاشبہ کلام تو قلب میں ہوتا ہے باقی زبان جو تکلم کرتی ہے تو یہ قلب ہی کی ترجمانی کرتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کلام متکلم کے قلب کا ترجمان ہوتا ہے لہذا جس قلب میں خدا کی معرفت خدا کا ذکر اور خدا کی محبت بھری ہوگی تو اس کے کلام میں ان آثار کا ہونا ضروری ہے اور جن کے سامنے وہ کلام پڑھا جائے اس پر اثر ہونا ضروری ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

ماں شو مغرور زاں گفت نکو	زانکہ باشد صد بدی اندر زیر او
ہر کہ باشد زشت گفتش زشت داں	ہر چہ گوید مردہ اں را نیست جاں
گفت انساں پارۂ انساں بود	پارہ از ناں یقیں ہم ناں بود

یعنی مکاروں کے ظاہری کلام دلپذیر پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس کے باطن میں صدہا خرابیاں ہوتی ہیں جو شخص خود اخلاق ذمیمہ رکھتا ہو اس کا کلام ضرور برا اثر رکھے گا اور مردہ دل جو کہے اس میں بھی جان یعنی تاثیر نہ ہوگی کہ انسان کا کلام مثل جزو انسان کے ہے (جیسا متکلم ہوگا ویسا ہی اس کا کلام ہوگا) جس طرح روٹی کا ٹکڑا بھی روٹی ہوتا ہے اب یہ کتنا آسان طریقہ ہے کلام کرنے کا کہ اگر آدمی سمجھتا ہے کہ میرے کلام میں تاثیر نہیں ہے تو بزرگوں کا کلام پیش کرے ان کا کلام مقبول ہے اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہے اس میں تاثیر ہے اس کو ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ماشاء اللہ معرفت حق خوب ہی خوب حق کی معرفت کا حق ادا کرتا رہتا ہے اسی طرح مکانی قرب کی سعادت سے محرومی کے باوجود تعلیمی فیوض و برکات اس سے بہت زیادہ نصیب ہوتے رہتے ہیں۔ جتنا کہ کبھی کبھی حاضری سے ہوتے ہیں۔

دیکھئے مولوی صاحب فرما رہے ہیں کہ رسالہ معرفت حق کے مطالعہ سے ہی نفع ہوتا ہے بلکہ یہ فرما رہے ہیں کہ جتنا کبھی کبھی حاضری سے ہوتا ہے اس سے زائد ہوتا ہے اب جب یہ مولوی صاحب کسی کے کلام سے متاثر ہو گئے تو اگر اسی کو دوسرے لوگوں سے بیان کریں تو کیا وجہ کہ لوگ اس سے متاثر نہ ہو۔ راقم عرض کرتا ہے۔

مولوی صاحب نے جو یہ لکھا کہ بسا اوقات کلام کا اثر صحبت کے اثر سے زیادہ معلوم ہوتا ہے تو یہ صحیح لکھا ہے حضرت والا مدظلہ نے فوائد الصحبۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ایک کلام نقل فرمایا ہے جو انہوں نے اخبار الاخبار کے مقدمہ میں تحریر فرمایا اس سے اس کی وجہ معلوم ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ

زبعد از حرمان از دولت صحبت کاملان و مشاہدہ جمال ایشاں عادت استماع اخبار و تبلیغ آثار ایشاں در ہمت فرمائے و در ظلمت دوائی ہماں تاثیر وارد کہ صحبت و مجالست بلکہ این نیز نوعے از صحبت است کہ جمال وقت و روئے اغیار کدورت و حجاب صورت عنصری مصفیٰ است و صفائے حسن عقیدت از مشاہدہ عادیات و اطلاع بر زلات منزہ۔

ترجمہ :۔ اور کاملین کی صحبت کی دولت اور عارفین کی زیارت کی نعمت سے محروم ہونے کی حالت میں ان حضرت کے اقوال اور حکایات کا سننا اور ان کے حالات کا تتبع کرنا بھی سالک کی ہمت بڑھانے اور اس کے قلب سے غفلت کو دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتا ہے جو ان کی صحبت اور ہمنشینی رکھتی ہے بلکہ یہ بھی ایک قسم کی صحبت ہی ہے (اور وہ بھی ایسی کہ) وقت اور مشغل کا جمال بشری کدورتوں کے غبار اور صورت عنصری کے حجاب سے بالکل صاف ہوتا ہے اور حسن عقیدت کی صفائی امور طبعیہ کے مشاہدہ نیز لغزشوں پر اطلاع پانے سے منزہ ہوتی ہے۔

(اخبار الاخبار)

توضیح اس کی یہ ہے کہ کسی شیخ کی مصاحبت میں تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ سالک کے لئے کسی بزرگ کی شرکت اور اس کی انسانی کمزوریاں اس طالب کے حق میں اس کے حصول فیض کے لئے حجاب بھی بن جائیں۔ یعنی بعض امور یا بشری لغزشیں دیکھ کر سالک کی عقیدت میں تغیر واقع ہو سکتا ہے لیکن ان کے ملفوظات۔ ارشادات۔ حالات اور حکایات میں تو صرف ان کے جمال اور کمال ہی کا پہلو ہوتا ہے لہذا اس کا نافع ہونا احتمال ضرر سے خالی ہونا ظاہر ہے اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مقالات اور حالات کا سننا اور دیکھنا گویا ان کی صحبت ہی میں بیٹھنا ہے اور بعض حالات میں صحبت کا نعم البدل ہے۔

اسی طرح سے ایک اور مولوی صاحب نے ابھی چند ہی روز ہوئے مجھے لکھا کہ معرفت حق کا افادہ اور افاضہ بفضلہ تعالیٰ اس دیار میں بہت ہی تام اور تقریباً عام ہو رہا ہے۔ ایک صاحب ریلوے میں ہیں بہرائچ کے باشندے ہیں چند دن پہلے تہذیب جدید کے شکار اس بحر میں غریق تھے ان کو کسی طرح اس کے مطالعہ کی توفیق ہوئی اب جو ان کو دیکھا تو پہچان نہیں آتے یعنی چہرہ پر ڈاڑھی لگی تھی اور انہوں نے بتایا کہ اسی رسالہ نے مجھے دین بتایا اور اس کی وجہ سے میں یہاں تک پہونچا اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعہ کرنے کی برابر ترغیب دیا کرتا ہوں اور

جو صاحب بھی دیکھتے ہیں اثر پذیر ہوئے نہیں رہتے۔

اور ایک صاحب ہیں جو اکثر رسائل منگاتے ہیں ایک روز فرما رہے تھے کہ الفرقان میں صوفیہ کی نسبت کے متعلق حضرت حق سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جو عجیب اور غریب ہے اور اس کا اثر اس سے بھی کہیں اعجب اور اغرب ہے پڑھتے جائیے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر خود بخود اترتا جاتا ہے اور اپنی جگہ بنالیتا ہے اور قلب کی عجیب حالت ہو جاتی ہے بندہ نے ان سے عرض کیا کہ آپ تو اس کے بہت ماہر ہیں اور واقف ہیں اور بات صرف اتنی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی صحیح باتیں بلا کسی ایچ پیچ کے ایک صحیح انسان (دلی) کی زبان اور قلم سے ہمارے دل تک پہونچتی ہے پس ممکن نہیں کہ دل اس کا اثر قبول نہ کرے جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان کا حصہ ہوگا وہ یقیناً تڑپ جائے گا اور نور سے بھر جائے گا۔

اور بندہ کو تو خاص حضرت کی مجلس مقدس کا مزہ آتا ہے جب پڑھنے بیٹھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرت کے سامنے اور مواجہہ میں حضرت کی باتوں کو سن رہا ہوں اس مہینے (ماہ محرم) کے رسالہ میں ایک مضمون ہے یہ لفظ پڑھا، پینا پھاڑ۔ تو دل کی عجیب حالت ہوگئی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بلا واسطہ کان تک حضرت کی آواز آرہی ہے۔

دیکھئے ان مولوی صاحب نے بھی اپنے خط میں اپنا اور اپنے احباب کا کیسا کیسا تاثر ظاہر کیا ہے اور خود دیکھ رہے ہیں کہ جو شخص اس رسالہ کو دیکھتا ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا پھر اب طریق کار کی کیا تلاش ہے یہی طریق کار ہے کہ بزرگوں کے کلام سے پہلے خود اثر لو اور ان دوسروں تک پہونچاؤ۔

ذ ان کو ملوث نہ ہونے دیں ؟

بقیہ سراج الملفوظات

توبہ خالص کر کے اطاعت و بندگی اور ذکر الٰہی کو اپنا شعار بنالیا اور سب کے سب کامل اولیاء اللہ میں سے ہوگئے۔

تو کسی کے حال پر مذاق اڑانا یا اسے اپنے سے کمتر سمجھنا بہت نازیبا بات ہے۔ کیا خبر ہے ع

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد!

بقیہ اسلام کی اولین معلم

اما بعد فان العبد اذا عمل بمعصیۃ اللہ تعالیٰ عاد حامدہ ذاما

جب کوئی بندہ اپنے مالک کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے ثنا خواں اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں، اس ایک جملہ میں کتنی نصیحت اور کتنی فصاحت و بلاغت ہے، اسے ایک عربی زبان و ادب سے آشنا ہی سمجھ سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً ۴۸ سال تک آپ مسند درس پر رونق افروز رہیں اور رمضان المبارک ۵۷ھ میں وفات پائی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ اتنی مدت تک یہ سلسلہ درس جاری نہ رکھتیں تو بہت سے مسائل تشنہ رہ جاتے جن کا علم صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو نہ تھی۔ (رضوان لکھنؤ)

بقیہ "ملکہ"

اور اپنی شادی مسنون طریقے ہی سے کریں گے جو کہ باعث برکت اور ذریعہ نجات ہے۔!

پھر راشد اور شاہد باہم گنگنانے لگے۔ ع

ہم رسم ملک کو دنیا سے مٹا دیں گے

کیا آپ بھی اس بات کے لئے تیار ہیں کہ اپنی شادی بیاہ میں مسنون طریقہ کو اختیار کریں اور ان غلط رسم و رواج سے اپنے

جنّت کی نعمتیں

اللہ کے خاص بندوں کے ساتھ جنّت میں برتاؤ

حکیم عبدالمنان الصدیقی

اولٰئک لھم رزق معلوم ۝ فواکہ
وھم مکرمون ۝ فی جنّٰت النعیم لا
علی سرر متقٰبلین ۝ یطاف علیھم بکاس
من معین ۝ بیضاء لذۃ للشّٰربین ۝
لا فیھا غول ولا ھم عنھا ینزفون ۝ و
عندھم قٰصرٰت الطرف عین ۝ لا
کانھن بیض مکنون ۝ فاقبل بعضھم
علی بعض یتسآءلون ۝ قال قائل منھم
انی کان لی قرین ۝ یقول ءانک لمن
المصدقین ۝ ءاذا متنا وکنا ترابا و
عظاما ءانا لمدینون ۝ قال ھل انتم مطلعون ۝
فاطلع فرآہ فی سوآء الجحیم ۝ قال تاللہ
ان کدت لتردین ۝ ولولا نعمۃ ربی
لکنت من المحضرین ۝ افما نحن بمیتین ۝
الا موتتنا الاولٰی وما نحن بمعذبین ۝ ان
ھٰذا لھو الفوز العظیم ۝ لمثل ھٰذا فلیعمل العٰملون ۝

(سورہ صٰفٰت پارہ ۲۳ رکوع ۶)

ترجمہ :- ہاں مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں۔ ان کے واسطے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال معلوم ہے یعنی میوے ' اور وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا۔ جو سفید ہوگی پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی۔ نہ اس میں درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی، گویا وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے۔ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا۔ میرا ایک ملاقاتی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بعث کے معتقدین میں سے ہے۔ کیا جب ہم مر جاویں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گی تو کیا ہم سزا اور جزا دیئے جائیں۔ ارشاد ہوگا کیا تم جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو، سو وہ شخص جھانکے گا تو اس کو وسط جہنم میں

دیکھے گا، کہے گا خدا کی قسم تو مجھ کو تباہ ہی کرنے کو تھا، اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا۔ کیا ہم بجز پہلی بار مرنے کے اب نہیں مریں گے اور نہ ہم کو عذاب ہوگا۔ یہ بیشک بڑی کامیابی ہے ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے۔

تشریح:۔ شروع میں میوہ جات کا جو ذکر فرمایا ہے ان کی صفت تو اللہ ہی کو معلوم ہے ہاں کچھ مختصر سی بندوں کو بھی بتلا دی ہے جیسا کہ سورہ واقعہ میں لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ سے معلوم ہوتا ہے اعزاز و اکرام اہل جنت کا کیسا ہوگا اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ شراب جنت میں مزہ اور نشاط پورا ہوگا۔ اور دنیا کی شرابوں میں جو خرابیاں ہوتی ہیں ان کا نام و نشان تک نہ ہوگا نہ سر گرانی ہوگی، نہ نشہ آئے گا۔ نہ قے آئے گی، نہ پھیپھڑے خراب ہوں گے۔ نہ اس کی نہریں خشک ہو کر ختم ہوں گی قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ سے مراد وہ حوریں ہیں جو شرم و ناز سے نیچی نگاہ رکھنے والی ہیں جو اپنے شوہروں کے سوا دوسروں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔ جن کا رنگ صاف و شفاف ہوگا، جیسے انڈا جس کو پرندہ اپنے پروں سے چھپا کر رکھے رہے تو نہ اس میں داغ لگتا ہے نہ گرد و غبار سے رنگ میں فرق پڑتا ہے۔ پھر دوستانہ مجالس کا لطف بھی ہوگا اور اس میں شراب طہور کا جام بھی چل رہا ہوگا۔ اس عیش و لطف میں پچھلی باتوں کا تذکرہ بھی آئیگا چنانچہ اسی ذکر میں ایک جنتی یہ کہے گا کہ دنیا میں ایک شخص میرا ملاقاتی تھا جو آخرت پر یقین کرنے اور ایمان لانے کی وجہ مجھ کو احمق سمجھا کرتا تھا، قیامت میں دوبارہ زندہ کئے جانے کا مذاق اڑایا کرتا تھا، آج یقیناً وہ دوزخ میں ہوگا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے ہاں ہاں تم اسے جھانکنا چاہو تو جھانک کر دیکھ لو، دیکھے گا۔ ٹھیک وہ دوزخ میں بیچ رہا ہے۔ یہ حال دیکھ اسے عبرت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان یاد آئے گا کہے گا! کمبخت تم نے مجھ کو بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا محض حق تعالیٰ کے احسان نے میری دستگیری فرمائی اور میرے قدم کو ایمان و عرفان پر ثابت قدم رکھا۔ مجکو اس مصیبت سے بچا لیا اور یہ نعمتیں عطا فرمائیں۔ جن میں عیش و عشرت اور لطف و راحت کی زندگی گذار رہے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم اب اسی حال میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ اب تو موت دوبارہ آنے کو نہیں ہے بیشک یہ بڑی کامیابی اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کی تحصیل کے لئے ہر طرح کی مشقتوں کو گوارہ کرنا چاہیئے۔

(ترجمہ از بیان القرآن و تفسیر منہا از ترجمہ شیخ الہندؒ)

جنّت کیسی ہے؟

عن ابی ہریرۃ قال قلت یا رسول اللہ مم خلق الخلق قال من الماء، قال الجنۃ وما بناؤھا، قال لبنۃ من ذھب ولبنۃ من فضۃ وملاطھا المسک الاذفر وحصباؤھا اللؤلؤ والیاقوت وتربتھا الزعفران، من یدخلھا ینعم ولا یبأس ویخلد ولا یموت ولا یبلی ثیابھم ولا یفنی شبابھم (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا و مولا سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے ارشاد ہوا پانی سے! ہم نے پھر عرض کیا کہ جنت کی تعمیر کیسی ہے آپ نے فرمایا کہ جنت (کی عمارت) میں ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی، اس کا گارا خالص مشک کا ہے اس کے کنکر موتی اور یاقوت کے ہیں اس کی مٹی زعفران کی ہے۔ جو کوئی اس میں داخل ہوگا ہمیشہ خوش عیشی میں رہے گا اور کبھی محتاج نہ ہوگا۔ دائمی زندگی پائے گا اور کبھی نہیں مرے گا۔ نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ان کی جوانی ہی ختم ہوگی۔

تشریح: دنیاوی زندگی میں کوئی دولت مند ہوتا ہے! کوئی غریب۔ جن لوگوں کو دولت ملی ہے وہ اپنی اپنی حیثیتوں کے مطابق عمارتیں بناتے ہیں۔ عمارتوں کے لئے عمدہ سے عمدہ زمین کا انتخاب کرتے ہیں۔ اینٹیں بھی اچھی مہیا کرتے ہیں۔ اینٹوں کے جوڑنے میں مٹی کا گارا، سرخی، چونا، سیمنٹ، بالو اور دوسرے مسالوں کا استعمال کرتے ہیں۔ ان عمارتوں میں کنکڑیوں کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اپنی یافت اور اپنی حیثیت کے مطابق اس میں خوشنمائی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

پھر دوسری بات غور طلب یہ ہے کہ مکان بنانے والے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہم اس میں پرلطف راحت بخش زندگی گزاریں اور زیادہ سے زیادہ اس سے لطف اندوز ہوں مگر اس بے وفا فانی دنیا میں شخص کی کوئی بھی خواہش تو پوری ہو نہیں پاتی۔

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث پاک سے ہماری توجہ کو آخرت کی لازوال نعمتوں نیز جنت میں اپنی خواہشوں کے اپنی مرضی کے مطابق پورے ہونے کی طرف موڑ کر طلب آخرت کا شوق دلایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جنت کے محلوں میں اس کی دیوار کی ایک اینٹ تو سونے کی ہوگی اور دوسری اینٹ چاندی کی اور ایسی ہی ترکیب سے جنت کے محلوں کی ساری عمارتیں تیار کی گئی ہوں گی (اللہ اکبر) پھر اینٹوں کے جوڑنے میں بطور مسالہ کے مشک کا گارا استعمال کیا گیا ہوگا (اللہ اکبر) ان عمارتوں میں جو کنکر استعمال کئے گئے ہوں گے وہ بھی موتی اور یاقوت بیش قیمت پتھروں کے ہوں گے۔ (اللہ اکبر) وہاں کی مٹی زعفران کی ہوگی، پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہاں کی پرلطف اور باعزت زندگی کسی طرح مقررہ کے لئے نہ ہوگی بلکہ دائمی اور جاودانی زندگی ہوگی (سبحان اللہ) جن کو یہ زندگی میسر ہو جائے گی اسے ہمیشہ ہمیش بس مسرت ہی مسرت اور عیش ہی عیش کی زندگی بسر کرنی ہے (سبحان اللہ) کبھی محتاجی پیش ہی نہ آئے گی، نہ جوانی ختم ہونے کا کوئی ڈر ہوگا، نہ کپڑوں کے بوسیدہ اور پرانا ہو کر پھٹ جانے کا امکان اور سب سے بڑی بات یہ کہ اب موت آنے کو نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ اسی لطف و عیش کے ساتھ زندہ رہنا ہے۔ (سبحان اللہ)

اے اللہ ہمیں دنیا کی اس تلخ زندگی کے مقابلہ میں آخرت کے اس عیش و لطف کی زندگی سے حاصل کرنے کی کوششوں میں لگا دیجئے اور اپنے فضل و کرم ہماری ناقص کوششوں میں خلوص و صدق عطا فرما کر قبول فرمائیے۔ (آمین ثم آمین)

جان عالم سیف

موہن جودارو

ایک عظیم شہر —— ایک شاندار تہذیب
جو
آریوں کے ظلم اور اُن کی وحشت و بربریت کی بھینٹ چڑھ گئی

آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل وادیٔ سندھ کے باشندے کافی مہذب تھے۔ وہ کسی طرح بھی قدیم مصر، عراق اور بابل سے تہذیب و ترقی میں پیچھے نہ تھے۔ اس تہذیب کا پتہ موہن جودارو جو صوبہ سندھ کے ضلع لاڑکانہ میں ہے کی کھدائی سے چلا ہے کہتے ہیں کہ یہ تہذیب دنیا کی سب سے قدیم تہذیب تھی۔ بدقسمتی سے وادیٔ سندھ کی تہذیب کے بارے میں ہمارے پاس کوئی تحریری ثبوت نہیں۔ اس کی تہذیب و تمدن کے بارے میں تو کچھ ہم جان بھی سکے مگر اس کی سیاسی تاریخ سے تو ہم قطعی نابلد رہے۔ کھدائی سے نکلنے والی اشیاء کی پہچان بین اور اس کے گہرے مطالعہ سے ہم اس کے تمدن کی ایک مختصر تاریخ تو مرتب کر سکے۔ مگر اس کی سیاسی تاریخ پر ہنوز پردہ پڑا ہوا ہے۔ موہن جودارو کی کھدائی سے جو سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان پر کچھ تحریریں ہیں۔ مگر جب تک یہ تحریریں پڑھی نہیں جاتیں ہم اس کی سیاسی تاریخ سے ناآشنا رہیں گے۔

مقام افسوس ہے۔ ایک ایسی قوم اور ایک ایسی تہذیب جس کا وجود ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک رہا ہو - ایک ایسا شہر جو مدتوں آباد رہا ہو۔ اسے اس طرح دفن کر دیا گیا کہ اب اس کی تاریخ کی ترتیب کے لئے ہم الفاظ بھی نہیں لا سکتے۔ کل کا شاندار شہر آج موہن جودارو کہلاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں،

موت کا ٹیلہ

یقیناً یہ موت کا ٹیلہ ہی ہے۔ جہاں لاکھوں افراد دفن ہیں جہاں ایک شاندار شہر دفن ہے۔ جہاں انسان کی سب سے قدیم تہذیب دفن ہے۔

آج سے

بیالیس سال پہلے سنہ ۱۹۲۲ء میں اس موت کے ٹیلہ کی کھدائی شروع ہوئی۔ کھدائی میں جو کھنڈرات نکلے۔ انہیں دیکھ کر ہماری نظروں کے سامنے ایک شاندار تہذیب کا نقشہ پھر جاتا ہے۔ یہ تہذیب ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک باقی رہی۔ یہاں ایک بڑا شہر تھا حسین، خوب صورت، اور پر رونق شہر کثیر آبادی اور لاتعداد عمارتوں والا شہر۔ یہاں بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈرات ملے ہیں۔ ان عمارتوں میں ایک منزلہ عمارتیں بھی ہیں، دو منزلہ عمارتیں اور تین منزلہ عمارتیں بھی ہیں۔ یہ عمارتیں پختہ اور اینٹوں سے بنی ہیں۔ اینٹوں کی یہ دیواریں، چار، چار، اور پانچ، پانچ فٹ

موٹی ہیں۔ کہنے کو تو یہ اینٹیں ہیں۔ مگر آج کی اینٹوں کی طرح نہیں کہیں کہیں تو ان کی لمبائی ½۲۰ انچ اور چوڑائی ½۱۰ انچ اور موٹائی ½۳ انچ ہے۔ یہ مکانات شاہانہ طرز کے تھے۔ ان میں عموماً دو کمروں کے بعد سامنے کا حصہ ہوتا جس کا رقبہ ۸۵ فٹ پر مشتمل ہے۔ بیرونی چار دیواری کی موٹائی ۴ سے ۵ فٹ تک ہوگی۔ ان مکانوں میں کھڑکیاں، دروازے اور زینوں کا بھی بخوبی انتظام تھا۔ مکانوں میں آنگن بھی ہوتے تھے۔ ہر مکان میں پختہ کنویں، نالیوں اور حمام کا انتظام تھا۔ ان عمارتوں کے علاوہ بڑی بڑی عمارتوں کے بھی کھنڈر ملے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں دو کوٹھیاں ہیں۔ ان کی فرش بندی پتھر سے کی گئی تھی۔ ان میں بھی آنگن، دروازے، کھڑکیوں اور سیڑھیوں کا بہتر انتظام تھا۔ جب یہ شہر اپنے پورے عروج پر ہوگا۔ تو ان عمارتوں کے رنگ و روغن اور ان کی دلکشی کا کیا عالم ہوگا؟ —— بیان نہیں کیا جاسکتا۔

موہن جودارو میں ایک بہت بڑا حمام بھی نکلا ہے۔ یہ حمام چوگوشیہ ہے۔ تمام اب بھی اچھی حالت میں ہے۔ اس کی لانبائی ۱۸۰ فٹ اور چوڑائی ۱۰۸ فٹ ہے۔ اس کی بیرونی دیواریں ۸ فٹ موٹی ہیں۔ حمام کے بیچ میں تیراکی کا طویل و عریض حوض ہے۔ اس کی لانبائی ۳۹ فٹ، چوڑائی ۲۳ فٹ اور گہرائی ۸ فٹ ہے۔ اس حوض کے چاروں طرف کمرے ہیں۔ ان کمروں سے متصل برآمدے یا گیلریاں ہیں۔ کمروں کے دروازے انہیں گیلریوں میں کھلتے ہیں۔ یہ برآمدے یا گیلریاں حوض کے چاروں طرف ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کمرے نہانے اور میک اپ کرنے کے کام آتے تھے۔ ان میں ہمہ وقت گرم پانی اور میک اپ کے سامان کا انتظام رہتا تھا۔ ان میں پانی پہنچانے کا بڑا اچھا اور ترقی یافتہ انتظام تھا۔ حوض کے کنارے جو سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں وہ اب بھی اچھی حالت میں ہیں یہ سیڑھیاں خاصی تعداد میں ہیں ــــ اس حمام عظیم کے علاوہ بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈرات میں بھی حمام کے آثار ملے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امراء اپنے گھروں میں حمام بناتے تھے۔

عوام کے لئے بھی حکومت کی طرف سے حمام اور کنویں بنے ہوئے تھے ان کنویں کی دیواروں میں رسیوں کے نشانات ملے ہیں۔ نیز ایسی بھی علامت ملی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ لائن لگاکر پانی لیا کرتے تھے۔ یہ علامت اینٹوں کے چبوتروں کی شکل میں ہے۔ یہ چبوترے چاروں طرف بنے ہوئے ہیں۔ ان پر عوام بیٹھتی تھی۔ شہر کے مغربی جانب ایک قلعہ نما عمارت کا کھنڈر ملا ہے۔ اسے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کوئی شاہی محل، اسمبلی ہال یا میونسپل ہال ہوگا۔ ان میں بڑے بڑے دیو پیکر ستونوں سے مزین بڑے بڑے ہال ہیں، ہر ہال ۸۰ مربع فٹ کے رقبہ میں ہے۔ اس عمارت کے بڑے بڑے ستونوں کی اینٹوں میں آگ لگنے کے نشانات ہیں۔ بڑے بڑے غلے کے گودام ملے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ غلہ محفوظ رکھنے کا اچھا انتظام تھا۔ دریائے سندھ اور قلعہ نما عمارت کے درمیان عام شہر کے کھنڈرات ملے ہیں۔ اس شہر کی سڑکیں ۳۰ فٹ چوڑی اور گلیاں ۱۰ فٹ چوڑی ہیں۔ ان سڑکوں پر پانی کی نکاسی کا بڑا ترقی یافتہ انتظام تھا۔ سڑکوں پر چوراہے اور تراہے بھی ہیں۔ ان سڑکوں کے دونوں طرف مکانات بنے تھے۔ ان مکانات میں روشنی کا اچھا انتظام تھا۔ چھتوں میں ایسے پائپ لگے ہوئے تھے۔ جس سے پانی کی نکاس ہوتی تھی شہر میں مندر اور مدرسے بھی تھے۔ ان مکانات، مندر اور مدرسوں کے کھنڈرات کو دیکھ کر ان کی فنی خوبیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز تعمیرات کے میدان میں کتنا آگے تھے اس کا بھی پتہ چلتا ہے؟ شہر کی صفائی کا بہتر انتظام تھا نیز پانی کی نکاس کے لئے بڑی بڑی نالیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان نالیوں کا انتظام بڑا ترقی یافتہ تھا۔ اس کے علاوہ تہ خانوں کے آثار بھی ملے ہیں۔

ہم اس عظیم، پر رونق، حسین اور پرتکلف شہر کے کھنڈرات سے یہاں کے شاندار باشندوں کے طرز رہائش اور ان کی گھنی آبادی کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ قدیم دنیا کی یہ آبادی نہ صرف نفاست وشائستگی کے جملہ لوازمات سے مزین تھی۔ بلکہ ترقی وتعمیر کی ایک شاندار شاہراہ پر گامزن تھی۔

اس شہر کے باشندوں کو سماجی حیثیت سے چار طبقوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ (۱) تعلیم یافتہ طبقہ، (۲) حکمراں طبقہ، ان میں مذہبی رہنما، سپاہی اور پولیس سب ہی شامل تھے۔ (۳) تجارت پیشہ اور (۴) مزدور طبقہ ——— سب ہی ہنسی خوشی رہا کرتے تھے۔ ان کی مالی حالت اچھی تھی تعلیم یافتہ طبقہ علم کی طرف متوجہ تھا۔ ان کے لئے بڑے بڑے مدرسے، اسکول اور کالج بنے ہوئے تھے۔ انہیں لکھنے پڑھنے سے خاصی رغبت تھی حکمراں طبقہ حکومت کے کاموں کی طرف متوجہ تھا۔ سیاست پر ان کی گہری نظر تھی شہر کی دیکھ بھال انہیں کے ذمہ تھی۔ تجارت پیشہ افراد تجارت کرتے تھے۔ تجارت ترقی پر تھی، شہر کے دونوں طرف دکانیں تھیں۔ اور دیگر دور کے شہروں سے تجارت کرنے کے علاوہ غیر ملکوں سے بھی تجارت کرتے تھے۔ دریائے سندھ کو جہازوں کے ذریعہ پار کرتے اور جنوبی ہند، عراق اور ایران میں اپنے یہاں کی چیزیں لے جاتے، وہاں سے سونا، تانبہ، ٹین، قیمتی پتھر اور موتی منگایا کرتے تھے ہمالیہ کے پہاڑی درّوں کے راستے اونٹوں کے ذریعہ وسط ایشیا کے قبیلوں سے بھی تجارت کرتے تھے۔ مزدور طبقہ میں سنار، کمہار، لوہار، بڑھئی، جولاہے، کسان کے علاوہ معمار اور دست کار بھی تھے، سونار، تانبے، چاندی اور سونے کے زیورات بناتے تھے۔

کمہار مٹی کے خوبصورت برتن مثلاً مٹکے، گلاس، گھڑے وغیرہ اور کھلونے مثلاً مٹی کی گائیں، بھینسیں، بھیڑ، بندر اور بیل گاڑیاں وغیرہ بناتے تھے۔ یہ اشیاء ایک خاص قسم کی مٹی سے بھی بنائی جاتی تھیں۔ ان برتنوں اور کھلونوں پر حسین نقش ونگار بھی بنتے تھے۔ انہیں چمکدار اور رنگین بھی بنایا کرتے تھے۔ کمہار اینٹیں بھی ڈھالتے تھے، علاوہ ازیں ضرورت کی دیگر چیزیں مثلاً چراغ، چراغ دانی، پنجرے، چوہے دانی وغیرہ بھی بناتے تھے۔

لوہار تانبے اور کانسے کے ہتھیار اور برتن بناتے تھے۔ یہ برتن تانبے اور کانسے کے علاوہ چاندی کے بھی ہوتے تھے۔ مگر چاندی کے برتن انتہائی امیر افراد ہی استعمال کرتے تھے۔ موہن جوداڑو میں چینی کے برتن بھی بنتے تھے۔ ان چیزوں کے علاوہ، استرے تانبے کی سوئیاں، منہ دیکھنے کے لئے تانبے کے آئینے اور مچھلی کے شکار کے لئے کانٹے بھی بناتے تھے۔ موہن جوداڑو میں سنکھ کا بھی رواج تھا۔ سنکھ پر بھی نقاشی کی جاتی تھی۔

بڑھئی لکڑی کی اشیاء مثلاً دروازے، کھڑکیاں، کرسیاں رتھیں اور بیل گاڑیاں بناتے تھے۔

جولاہے، سوتی اور اونی کپڑے بنتے تھے۔ معمار عمارتیں، قلعے اور محلات بنایا کرتے تھے۔ دست کار برتنوں اور زیورات میں خوبصورت نقش ونگار، مورتیں اور تصویریں بنایا کرتے تھے۔ وہ ہڈی اور ہاتھی دانت کی کنگھیاں اور پتھر، مٹی، ہاتھی دانت اور دھات کی مہریں بھی بنایا کرتے تھے۔ کھدائی میں پانچ سو سے زائد مہریں ملی ہیں، ان میں زیادہ تر پتھر کی ہیں۔ باقی ہاتھی دانت، مٹی اور دھات کی ہیں ان مہروں پر کچھ تحریریں بھی ہیں۔ یہ تحریریں تصویروں والی اور دائیں سے بائیں ہیں۔ ان تحریروں کو آج تک پڑھا نہ جا سکا۔ ہو سکتا ہے کہ ان تحریروں میں موہن جوداڑو کے شاندار شہر کی عظیم الشان تاریخ تحریر ہو؟ ——— ہو سکتا ہے اس کے پرشکوہ سلاطین کا ذکر ہو؟ مگر ہنوز دنیا ان سوالات کے جواب فراہم نہیں کر سکتی کہتے ہیں موہن

جو دارو کی سیاسی تاریخ کا دارومدار انہی تحریروں پر ہے۔ ماہرین انہیں پڑھنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ تحریریں کسی دن پڑھ لی جائیں۔ پھر یقیناً ہم حیرت ناک انکشافات سے حیران و پریشان رہ جائیں گے۔

ان مہروں پر ہاتھی، شیر، بیل، سانڈ اور گینڈے کی تصویروں کے ساتھ ساتھ انسانی شکلیں بھی بنی ہوئی ہیں۔ یہ شکلیں خیالی اور حقیقی دونوں ہیں۔ یہ تصویریں اور شکلیں موہن جو دارو کے بلند آرٹ کی غمازی کرتی ہیں۔ یہ مہریں بیرون ملک اور اندرون ملک، تجارت میں بھی کام آتی تھیں۔ کیونکہ ایسی ہی مہریں عراق، ایران وغیرہ میں بھی ملی ہیں۔

موہن جو دارو والوں میں فنی بلندیاں کس قدر تھیں اس کا اندازہ نہ صرف ان مہروں سے ہوتا ہے بلکہ کمہار کے پہیوں (چاک) جلی ہوئی اینٹوں، نیز زیورات پر کی گئی نقاشی اور پتھر کے پائے گئے بتوں سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ وہ تانبے کی چیزوں کی ڈھلائی نیز مختلف دھاتوں کی آمیزش اور ٹھوس اشیاء کا چورا (سفوف) بنانے میں بھی ماہر تھے۔ موہن جو دارو کے دستکاروں نے ہاتھی دانت کی چیزیں بنانے، ان پر نقاشی کرنے نیز جواہرات کے تراشنے میں بھی مہارت حاصل کی تھی۔

موہن جو دارو میں کسان بھی تھے۔ وہ کاشت کاری کرتے تھے اور بیل اور خچروں کے ذریعہ اپنے کھیتوں کو جوتتے تھے۔ گیہوں جو، کپاس اور مٹر کی کھیتی کرتے تھے۔ ان کے پالتو جانوروں میں گائے، بیل، سور، کوزہ پشت سانڈ، بکری، بھیڑ، کتے، ہاتھی اور اونٹ وغیرہ شامل تھے۔ گھوڑے کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔

ان کا لباس سادہ تھا۔ سوتی اور اونی دونوں قسم کے کپڑے موسم کے لحاظ سے استعمال کرتے تھے۔ ایک وقت میں دو کپڑے پہنتے تھے ایک دھوتی کمر کے گرد باندھتے تھے اور ایک شال بائیں کندھے پر ڈال کر داہنے کندھے سے نکالتے ہوئے پھر بائیں کندھے پر ڈال لیتے تھے۔ سر کے بال لمبے رکھتے تھے۔ کھدائی میں ایک ناچتی ہوئی عورت کی مورت ملی ہے۔ اسے دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ عورتیں کئی قسم کے کپڑے پہنتی تھیں۔ وہ جسم میں چادر لپیٹنے کے علاوہ سر کو بھی ڈھانپتی تھیں۔ زیورات میں ہار، بالیاں، چوڑیاں، کردھنی، کڑا، بازوبند، پازیب، بچھوے، ناک پھول، بیمی، سربند اور انگوٹھیاں پہنتی تھیں۔ جن میں ہار، بازوبند، سربند، چوڑیاں اور انگوٹھیاں مرد اور عورتیں دونوں پہنتے تھے زیورات مختلف ڈیزائنوں کے تیار ہوتے تھے۔ ان میں کچھ ڈیزائنیں تو ایسی تھیں کہ اپنی خوب صورتی میں جواب نہیں رکھتی تھیں۔ امیر عورتوں کے زیورات سونے، چاندی اور جواہرات کے ہوتے تھے۔ ان جواہرات میں زمرد، بلور، یشب، وغیرہ بھی شامل تھے۔ غریب عورتیں سیپ گھونگھے، تانبے، رنگین برتنوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں اور ہاتھی دانت کے زیورات پہنتی تھیں عورتیں ہونٹوں میں سرخی بھی لگاتی تھیں۔

موہن جو دارو کے باشندے ہتھیار میں تیر و کمان، خنجر، گوپھن لاٹھی، نیزہ اور کلہاڑی استعمال کرتے تھے۔ یہ ہتھیار کانسے اور تانبے کے علاوہ پتھر کے بھی بنتے تھے۔ وہ تلوار سے واقف نہیں تھے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ ڈھال، خود یہ ان جیسے حفاظت کے دیگر ہتھیار سے بھی واقف نہیں تھے اور نہ ہی شہر کی حفاظت کا کوئی انتظام تھا۔

صرف سنتریوں، پہریداروں اور پولس کی چوکیوں کے نشانات ملے ہیں یہاں رہنے والے سنتری اور پہریداروں کے ملازمات کو بھی شہر کی نگہبانی کیا کرتے تھے۔ فوجی طاقت کی موجودگی کی کوئی علامت نہیں

ملی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ موہن جوداڑو کے باشندے امن پسند تھے کسی سے جنگ نہیں کرتے تھے۔ اپنا وقت صلح اور امن کی فضا میں گذارتے تھے کھیل، تماشے اور ناچ، رنگ کے شوقین تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ گولیوں اور کوڑیوں کے کھیل کے علاوہ شطرنج اور پانسے کے کھیلوں میں بھی بڑے ماہر تھے۔

موہن جوداڑو والے دھاتوں کے استعمال سے بھی واقف تھے۔ وہ دھاتوں میں تانبے، ٹین، شیشہ، کانسے، چاندی اور سونے کا استعمال کرتے تھے اور انہی سے واقف بھی تھے۔ غذا میں چاول، گندم، جو، مٹر اور کھجور استعمال کرتے تھے۔ گوشت، مچھلیاں، انڈے، سبزی دودھ اور پھل بھی کھاتے تھے۔ بکری اور بھیڑ کے گوشت کے ساتھ ساتھ سور کا گوشت بھی کھاتے تھے۔

موہن جوداڑو کے کھنڈرات سے پائی جانے والی چیزوں سے ہمیں ان کے مذہبی اعتقادات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے اور ان کی پوجا کے موقعہ پر قربانیاں بھی کرتے تھے۔ آسمانی ماں کی پرستش ملک کے طول و عرض میں رائج تھی اس دیوی کی متعدد مورتیں ملی ہیں۔ آسمانی ماں کو ہی وہ تمام کائنات کا خالق تصور کرتے تھے۔ اس کی پوجا کے رسوم آج کی شکتی پوجا سے کچھ ملتے جلتے ہیں۔ دونوں کی بنیادی روح ایک ہی ہے۔ یعنی کسی مادہ طاقت کو خالق کائنات تصور کرنا۔ علاوہ بریں ایک دیوتا کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ اس کی شباہت شیوجی سے ملتی جلتی تھی۔

موہن جوداڑو سے پائے گئے ایک مہرے میں اس کی تصویر کھدی ہوئی ہے۔ اس تصویر میں وہ یوگا کی وضع میں بیٹھا ہوا ہے، اور اس کے چاروں طرف جانوروں کا جمگھٹ ہے۔ اس کے تین منہ اور دو سینگھ ہیں، یہ سینگھ سر کے دونوں طرف ایک لانبے تاج میں ہیں۔

مشہور مورخ آر، سی مجمدار کہتے ہیں کہ

"یہ امر[1] دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اگر اس بات کی تشریح کی جائے کہ کس طرح یہ دیوتا آج کے شیوجی کے مشابہ ہے۔ یہ سب ہی جانتے ہیں کہ شیوجی کو مہایوگی کہا گیا ہے نیز ان کا لقب پاسوپتی بھی ہے۔ پاسوپتی جو حیوانوں کے دیوتا کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ علاوہ بریں اس کی اہم خاصیتیں، اس کا ترشول اور اس کی تین آنکھیں ہیں۔ اب جب ہم موہن جوداڑو سے پائی جانے والی مہروں کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو اس میں کھدی ہوئی تصویروں میں ہمیں یہ ساری باتیں مل جاتی ہیں۔ یوگا کی وضع میں بیٹھا ہوا دیوتا پھر اس کے چاروں طرف کے جانور ——— پاسوپتی کی نشاندہی کرتے ہیں ——— دوسری بات یہ کہ تصویر کے تین منہ ہیں۔ آج کے شیو کی تین آنکھیں ہیں۔ علاوہ بریں اس کے سر کے تاج میں دو سینگھ ہیں۔ اور آج کے شیو کی طرح اس کے ہاتھ میں ترشول بھی ہے جس کی تین نوکیں ہیں۔ اگر ہم تین منہ کو تین آنکھوں کی جگہ سمجھ لیں اور دو سینگھوں کو ترشول کی نوکوں یا انیوں کی جگہ سمجھ لیں تو یہ مشکل آپ ہی آپ حل ہو جاتی ہے اور اس تصویر کے شیو کی تصویر ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتی۔ یہ تحقیق اس وقت اور بھی مضبوط اور صحت مند ہو جاتی ہے جب پتھر کے ان ٹکڑوں یا مورتوں کو دیکھتے ہیں جن کی شکل بالکل آج کے شیو سے ملتی جلتی ہے ——— وہی شیو جس کی ملک کے طول و عرض میں پرستش ہوتی ہے"

شیو اور شکتی کی پرستش کے ساتھ ساتھ وہ دیگر بتوں، جانوروں اور درختوں کی پرستش بھی کرتے تھے۔ سانپ بھی ان کا ایک دیوتا تھا۔ غسل ان کے مذہب میں داخل تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ موہن جوداڑو میں اکثر حمام کے کھنڈرات ملے۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آج سناتن دھرم یقیناً موہن جوداڑو کے مذہبی عقیدے

---

[1] این اڈوانس ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۱

سے متاثر ہے۔ آریا نہ صرف ان کے شہروں کے مالک بنے بلکہ ان کی تہذیب اور مذہب کے مالک بھی بن گئے۔ اور آنے والے زمانے میں ان کے دیوی دیوتا کی شیو اور شکتی کے نام سے پوجا شروع کی۔

آر۔ سی۔ مجمدار لکھتے ہیں۔

"ہم بلا کسی ہچکچاہٹ کے کہہ سکتے ہیں کہ وادی سندھ کی قدیم تہذیب اور آج کے ہندو مت میں بڑی حد تک مناسبت ہے۔"

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وادی سندھ کی اس شاندار تہذیب کے بانی کون تھے؟ کچھ لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا تعلق بابل کی سومیرین قوم سے تھا۔ دریافت شدہ شہر سے تانبے، کانسے کی جو چیزیں، کمہار کے چاک، جلی ہوئی اینٹیں اور جو مہریں دستیاب ہوئی ہیں۔ ایسے ہی مہریں تانبے اور کانسے کی اشیاء عراق، بابل اور ایلام کے کھنڈرات سے بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ انہیں اسباب کی بنا پر اس کا تعلق اس قوم سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ قدیم دنیا کی ان عظیم تہذیبوں کا ارتباط ثقافتی اور تجارتی تعلقات کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے کھنڈرات سے نکلی ہوئی اشیاء میں اتنی مشابہت ہے۔ پتہ نہیں ان تہذیبوں نے ترقی کی منزلیں شانہ بہ شانہ طے کیں یا جدا گانہ نیز یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا کہ وادی سندھ کی تہذیب ان تہذیبوں سے متاثر ہوئی یا یہ تہذیبیں وادی سندھ کی تہذیب سے متاثر ہوئیں۔ یہ امر تحقیق طلب ہے۔

مورخین کا ایک چھوٹا سا طبقہ اس بات پر متفق ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب کا تعلق ویدک تہذیب سے ہے مگر اس میں ذرہ برابر بھی سچائی نہیں۔ وادی سندھ کی تہذیب اور ویدک تہذیب میں بڑا فرق موجود ہے۔

ویدک تہذیب سے تعلق رکھنے والے آریا خانہ بدوش تھے جب کہ وادی سندھ کے باشندے شہری تہذیب اور رہن سہن کے آداب سے واقف تھے۔ آریا لوہے کے ہتھیار اور دفاعی ہتھیاروں سے آشنا تھے۔ جب کہ وادی سندھ کے باشندے ان سے ناواقف تھے۔ گھوڑے آریوں میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ جب کہ وادی سندھ کے باشندوں میں اس کا وجود مشکوک ہے۔

مذہبی رسوم اور عقائد کے سلسلے میں بھی دونوں میں فرق ہے آریا گائے کی پرستش کرتے تھے۔ جب کہ وادی سندھ کے باشندے سانڈ کو پوجتے تھے۔ گرچہ بعد میں آریا بت پرست ہو گئے اور موہن جو دارو والوں کے کچھ دیوی دیوتاؤں کی شیو اور شکتی کے نام سے پرستش کرنے لگے لیکن ویدک دور میں وہ بت پرستی کے نام سے بھی واقف نہیں تھے۔ ان میں وحدانیت کا تصور تھا۔ یہ اور بات ہے کہ آج کا ہندو مت موہن جو دارو کے مذہبی عقیدے سے بڑی حد تک متاثر ہے۔ علاوہ ازیں موہن جو دارو کے زمانہ تہذیب اور ویدک دور میں ہزاروں سال کا فرق ہے۔

ان تمام وجوہات کے پیش نظر ہم علی الاعلان یہ کہہ سکتے ہیں کہ ویدک تہذیب سے وادی سندھ کی تہذیب کا کوئی تعلق نہ تھا۔

اب آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تہذیب کے بانی آخر کون تھے؟ وہ لوگ کون تھے جن میں یہ تہذیب پھلی پھولی؟

جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے بانی ڈراویڈ ہی ہوں گے۔ ڈراویڈ اس زمانہ میں سارے ہندوستان میں آباد تھے پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں انھوں نے بڑے بڑے شہروں اور قلعوں کی بنیادیں ڈالی تھیں۔ موہن جو دارو کے علاوہ پنجاب میں ہڑپہ[1] کے

---

[1] یہ جگہ موہن جو دارو سے چار سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ان دونوں مقامات کے آثار میں بہت زیادہ مناسبت پائی جاتی ہے۔
(علم تاریخ صفحہ ۳۵)

مقام، نیز سندھ اور بلوچستان کے دیگر مقامات کی کھدائی سے بھی ایسی ہی تہذیب کا پتہ چلتا ہے۔ بلوچستان کے براہوئی قبیلے کے افراد تو اب تک ڈراویڈ زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس تہذیب کے بانی ڈراویڈ رہے ہوں گے۔

وادی سندھ کی یہ شاندار تہذیب ایک ہزار سال سے زائد مدت تک باقی رہی مگر ایک دن، آج سے ۳۵ صدی پہلے، وسط ایشیا کی رہنے والی ایک خانہ بدوش اور جنگجو قوم آئی اس قوم کے افراد رتھوں پر سوار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لوہے کی تلواریں، تیر اور کمانیں تھیں۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح وہاں کے صلح پسند لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ شہر کی خاموشی جنگ کے شور میں بدل گئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہزار سال کی تہذیب کھنڈرات وقت کے ساتھ ساتھ گرد و غبار میں دب گئے اور وہاں ایک ٹیلہ بن گیا۔ اس ٹیلہ کے نیچے ایک پورا شہر تھا۔ ایک شاندار تہذیب تھی۔ جو وحشت و بربریت اور ظلم کی شکار ہو کر دنیا کی نگاہوں سے روپوش ہو چکی تھی۔

ظالم آریوں نے عظیم موہن جودارو کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا۔

پھر ایک دن، آج سے بیالیس سال پہلے ۱۹۲۲ء میں ایک مورخ رکھال داس بندو پادھیا محکمہ آثار قدیمہ کی ایک جماعت کے ساتھ وادی سندھ میں پہنچا۔ اسے شکار کا بھی شوق تھا چنانچہ ایک دن وہ شکار کھیلتا ہوا اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر دور جا پہنچا۔ چلتے چلتے جب تھک گیا تو سستانے کے لئے جس مقام پر ٹھہرا وہ یہی ٹیلہ تھا ——— موہن جودارو کا ٹیلہ جو ایک عظیم قوم اور ایک شاندار تہذیب کا مدفن تھا۔ کچھ چھوٹے چھوٹے کھنڈرات باہر بھی تھے ان کھنڈرات میں ٹہلتے ہوئے زمین پر جو نگاہ کی تو پتھر کا ایک چاقو پڑا ہوا ملا۔

"پتھر کا چاقو!" ——— بے اختیار اس کی زبان سے نکلا اور اس کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا ——— "یہ تو ہزاروں سال قبل کے پتھروں کے زمانے کی نشانی ہے۔"

وہ سمجھ گیا کہ وہ کسی قدیم مقام پر کھڑا ہے ——— اور اس کے کچھ دنوں بعد جان مارشل ایک انگریز عالم، محکمہ آثار قدیمہ کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں پہنچا۔ پھر اس کی ماتحتی میں اس ٹیلہ کی کھدائی کا کام شروع ہوا ——— پہلے کھنڈرات نکلے، پھر مہریں نکلیں تانبے اور کانسے کی اشیا نکلیں، کھلونے نکلے، آرٹ اور فن کی عظیم نشانیاں نکلیں ——— اور اس کے بعد ایک شہر نگاہوں کے سامنے تھا۔ حمام، کنویں، سڑکیں، نالے، اور مکانات سب نگاہوں کے سامنے تھے۔ ان کے جلو میں تباہی اور بربادی بھی۔ کھنڈرات باہر نکلے تو قتل عام کی ایک ہولناک تصویر سامنے آ گئی۔ ایک کوچہ میں چند آدمیوں کے پنجر پڑے تھے۔ جن میں ایک ننھے بچے کا پنجر بھی تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انہیں گھر سے کھینچ کر قتل کیا گیا تھا۔ ایک حمام میں عورتوں کے ایک گروہ کے پنجر ملے۔ جیسے وہ غسل کر رہی ہوں، یا پانی لینے آئی ہوں اور انہیں قتل کر دیا گیا ہو۔ گلیوں اور راستوں میں ایسے پنجر ملے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھاگتے ہوئے قتل کئے گئے تھے۔ ۳۵ صدی تک یہ پنجر یا لاشیں وسط ایشیا سے آنے والی خانہ بدوش قوم آریا کے ظلم اور سنگ دلی کی داستانیں اپنے جلو میں لئے ملبے میں دبی رہیں۔

آریوں نے اپنی اس سنگ دلی کو "رگ وید" کی نظموں میں فخریہ بیان کیا ہے۔

"ہم آئے، اور ہمارے نڑائی کے دیوتا اندر نے ہماری مدد کی، ہم نے حملہ کیا اور قلعے اور شہر لوٹ کر تباہ کر دئے، کالی رنگت، اندر چپٹی ناکوں والی قوم کو مٹا دیا۔"

سراج الملفوظات

از سیدی و مولائی حضرت مولانا شاہ سراج احمد صاحب دامت برکاتہم امروہوی

آٹھویں مجلس۔

۱۱ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ مطابق ۳ مئی ۱۹۶۶ء

بروز منگل

بعد نماز ظہر

مرزاپور ضلع دربھنگہ (بہار)

ترجمہ قرآن پاک کے مطالعہ سے غلط فہمی

ایک انگریزی داں طالب نے قرآن پاک کی دو آئتیں لکھ کر پیش کیں جو ذیل میں درج ہیں۔

ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصریٰ والصابئین الخ

اور دوسری آیت

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ الخ

اور لکھا کہ مجھ کو ان دونوں آیتوں کے مفہوم میں تضاد معلوم ہوتا ہے، سمجھا دیا جائے: میں نے اردو میں جو ترجمے دیکھے ہیں ان سے سمجھ میں نہ آسکا، حضرت والا نے تضاد کی تقریر دریافت کی تو انہوں نے بتلایا کہ پہلی آیت میں مسلمان، یہودی، عیسائی اور صابی میں سے جو شخص ایمان رکھتا ہو سب کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور دوسری آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین عند اللہ قابل قبول ہی نہیں تو ایسی حالت میں سب کے لئے جنت کا وعدہ کیوں کر فرمایا گیا۔ حضرت والا نے قرآن پاک منگوا کر دونوں آیتوں میں غور فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ

" اس مقام پر دور سے سلسلہ بیان مختلف مذاہب کا چلا آرہا ہے، اس آیت میں یکجا سب کو فیصلہ سنا دیا گیا ہے کہ ہر کوئی بھی مذہب رکھے، یہودی، عیسائی، صابی بلکہ مسلمان بھی ہو تو بھی اس کے لئے یہی فیصلہ ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو، ایسی حالت میں جو کوئی بھی اس صفت سے متصف ہوگا، اس کی نجات یقینی ہے، اس دوسری آیت میں صراحتہً اس کو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ سوائے مذہب اسلام کے کوئی دوسرا مذہب حق تعالے قبول نہیں فرماتے، مذہب اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے والا آخرت میں ضرور خسارہ میں رہے گا۔

پہلی آیت سے دوسری آیت کا مضمون التزاماً نکلتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت سے پہلی آیت کا مضمون التزاماً نکلتا ہے۔

قرآن پاک نصیحت کی کتاب ہے، عربی زبان میں جتنے فصیح ترین الفاظ تھے، حق تعالے نے قرآن پاک کے لئے منتخب فرمائے اور فصیح ترین زبان میں قرآن پاک کو نازل فرمایا۔

قرآن پاک کا معجزہ۔

یہی سبب ہے کہ اہل مکہ، قرآن پاک کا مفہوم خوب سمجھتے تھے،

کوئی شخص ایسا نہ نکلا جس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی ہو کہ یہ تو ایسی زبان ہے جس کو ہم نے نہیں سمجھا، سب سمجھتے تھے، خوب سمجھتے تھے، پھر جس کا دل مان لیتا تھا اور ایمان کی توفیق ملتی تھی مسلمان ہو جاتا تھا، جس کا دل نہیں مانتا اور توفیق سے محروم ہوتا محروم رہ جاتا تھا، سمجھنے کا انکار کسی نے نہیں کیا گو دوسری طرح سے صاف انکار کر دیا

قرآن پاک کو حق تعالے نے ایسی فصاحت و بلاغت اور ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ باوجودیکہ سب عربی زبان جانتے تھے، بڑی مہارت رکھتے تھے ان میں بڑے بڑے فصحاء بلغاء اور شعراء تھے، مگر قرآن پاک کے مقابلہ میں نہ اتر سکے ایک چھوٹی سے چھوٹی آیت بھی بنا کر مطالبہ قرآن کے باوجود پیش نہ کر سکے دشمنی کیسی تھی، بغض کیسا تھا، کیا کچھ نہ چاہتے ہوں گے، مگر قرآن پاک کے مقابلہ میں مجبور تھے، عاجز ہو کر رہ گئے۔

ترجمہ قرآن پاک سبقاً سبقاً کسی عالم سے پڑھنا چاہیئے

پھر انہیں سائل صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

"آپ نے من آمن منکم باللہ پر نظر نہ فرمائی"

اس لفظ نے تو بالکل صاف کر دیا ہے کہ کوئی شخص ہو جو ایمان لائے گا۔ نجات پائے گا۔ بات یہ ہے کہ محض اردو میں ترجمہ دیکھنا قرآن پاک کے محاورہ کے مطابق مفہوم کو سمجھنے کے لئے ہرگز کافی نہیں، بلکہ ترجمہ کو بھی سبقاً سبقاً کسی عالم سے پڑھنا چاہیئے۔ ورنہ اس قسم کے بہت سے شکوک پیدا ہو سکتے ہیں۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اس قسم کے بہت سارے تجربات تھے، جس کی بنا پر حضرت رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں صرف اردو خوانوں کو اردو کے ترجمے پڑھنے اور دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا، یہ ترجمے اس لئے نہیں لکھے گئے ہیں کہ اردو خواں اس سے خود سے پڑھیں یا مطالعہ کریں، بلکہ اس لئے کہ اگر شوق ہو تو کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ

لیں، اس صورت میں انہیں ترجمہ سے یہ سہولت ہو گی کہ کچھ مفہوم ان کے ذہن میں تو اس عالم کے سمجھانے سے رہے گا اور کچھ ترجمہ سے سمجھ میں آئے گا، تعلقات اور ربط وغیرہ کا علم صحیح حاصل ہو سکے گا اور اس طرح کسی عالم سے پڑھنے والا قرآن پاک کا غلط مفہوم نکالنے سے بچ سکے گا۔

ترجمہ سے غلط فہمی کا ایک واقعہ

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا !

"ایک صاحب اردو کا ترجمہ دیکھا کرتے تھے، دیکھتے دیکھتے جب اس آیت پر پہونچے

لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ تو دیکھا کہ ترجمہ میں لکھا ہوا ہے "نماز کے قریب بھی نہ جاؤ" اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو، بس فوراً نماز سے توبہ کر لی، حالانکہ نماز اور تلاوت کے بے حد پابند تھے، نماز پابندی جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، مگر ترجمہ پڑھتے ہی یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جب قرآن پاک میں نماز کی مخالفت ہے تو پھر نماز سے فوراً توبہ کرنی چاہیئے، میں نے اتنے دنوں سے نمازیں پڑھیں، یہ تو بڑی غلطی ہو گئی۔"

تو دیکھئے ترجمہ دیکھتے ہی نماز سے توبہ کر لی، ایسی غلط فہمی ہو گئی اللہ کے بندے نے آگے نہ دیکھا، ربط کو نہ سمجھا، کہ انتم سکاریٰ اپنے ماقبل سے تعلق رکھتا ہے، اس پر کچھ غور ہی نہ کر سکے، ظہر کا وقت آیا آپ مسجد سے غائب ہیں، عصر میں بھی، مغرب میں بھی، عشاء میں بھی غرض آپ نے مسجد کی آمد و رفت ہی بند کر دی، جب فجر میں بھی نہ آئے تو نمازیوں کو خیال پیدا ہوا کہ اتنے پابند نماز جماعت کے ہیں پھر مسجد آئے کیوں نہیں۔ بات کیا ہے، ذرا تحقیق تو کیا جائے بیمار تو نہیں ہو گئے آخر ہوا کیا جو مسجد نہیں آرہے ہیں۔

غرض ان کے گھر آئے دریافت کیا ! بات کیا ہے ؟ کل سے آپ مسجد تشریف نہیں لائے" بولے بات یہ ہے کہ جب خدا نے نماز سے

روکا ہے تو پھر کیوں نماز پڑھوں کیوں خدا کی نافرمانی کروں قرآن پاک کا ترجمہ کھول کر دکھلایا۔"

ان لوگوں کے پاس ان کا کچھ جواب تو تھا نہیں، قریب ہی کوئی عالم تھے، ان کی خدمت میں سب لوگ حاضر ہوئے، ان سے عرض کیا کہ ان صاحب کو یہ شکوک پیدا ہو گئے ہیں ہم بے چاروں سے تو ان کی باتوں کا جواب نہیں دیا جاتا، اب آپ ان کو سمجھا دیں، مولوی صاحب نے ترجمہ نکال کر ان سے کہا کہ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی کے ترجمہ کو پہلے پڑھو اس کے بعد لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کا ترجمہ کرو، تو اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اے مسلمانو جب تم نشہ کی حالت میں رہا کرو تو اس حالت میں نماز کے قریب بھی مت جایا کرو یہ وہ وقت تھا کہ شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، بہر حال اس عالم کے سمجھانے سے ان صاحب کی گتھی سلجھ گئی ورنہ اپنے طور پر مطالعہ سے تو ایسی غلط فہمی پیدا ہو چکی تھی کہ ایمان کے لالے پڑ رہے تھے محض اردو داں کو مطالعہ ترجمے سے یہ غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اب آپ ہی کو دیکھئے کہ کیسی غلط فہمی ہوتی ہے۔"

غلط فہمی کا ایک اور واقعہ

ایک صاحب الٰہ آباد میں تھے، امیر آدمی تھے، اردو ترجمے دیکھنے کا انہیں شوق تھا، ایک مقام پر سمجھنے میں غلطی ہو گئی، انہوں نے بالواسطہ میرے پاس اپنے شکوک کہلا بھیجے، اور جواب مانگ بھیجا، میں نے ان صاحب سے کہا کہ آپ ان سے کہئے کہ خود سے درخواست کریں اور بالمشافہ جو شکوک پیدا ہوئے ہیں انہیں اپنی زبان سے بیان کریں اور جواب خود سن کر سمجھ لیں، ورنہ یہ ممکن ہے کہ آپ کے سوالات میں ان کے شکوک صاف نہ ہوں یا میں جو کچھ جواب دوں تو جواب کی تقریر میں کسی اور طرح سے کروں اور آپ ان تک کسی اور طرح سے قدرے تبدیلی سے پہونچائیں، تو انھیں تشفی نہیں ہوگی اور ان کا ذہن ان شکوک سے صاف نہ ہو سکے گا۔

مگر امراء کو عموماً علماء سے عار و استنکاف ہوتا ہے خصوصاً ایسے علماء جو صاحب ثروت اور ذی وجاہت نہ ہوں، اس لئے انہیں اس کی توفیق نہ ہوتی، اور نہ آئے۔

اردو ترجمے محض اردو یا انگریزی جاننے والوں کو قرآن پاک کی اصطلاح کے مطابق بغیر کسی جاننے بوجھے آدمی کے سمجھائے ہوئے صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے ترجمہ سے غلط سمجھ لیا اور یہ اعتقاد کئے بیٹھے رہے کہ میں نے بالکل صحیح سمجھ لیا ہے، بھلا ایسی صورت میں اصلاح کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اصلاح تو اپنی غلطی کے احساس پر موقوف ہے، اس لئے انگریزی جاننے والوں یا محض اردو خواں حضرات کو اگر ترجمہ کلام اللہ شریف کا شوق ہو تو کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لینا چاہئے اور اگر اس سے بھی زیادہ شوق ہو تو وقت نکالیں اور عربی زبان کی باقاعدہ تعلیم حاصل کریں۔

محض عربی لغت کے علم سے بھی ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا

محض عربی لغات دیکھ کر قرآن پاک کا ترجمہ کرنا، قرآن پاک کے اصطلاحی مفہوم تک ہرگز نہیں پہونچا سکتا ہے، بہت ایسے انگریزی دانوں کو اس میں غلطی واقع ہوتی ہے انہوں نے عربی لغات کی مدد سے ترجمہ کیا، جو محاورہ عرب کے بالکل خلاف ہے، پھر کیونکر وہ قرآن پاک کے اصطلاحی مفہوم کے مطابق ہو سکتا ہے، جس کی زبان ہے اس کے محاورہ کا اعتبار تو کرنا ہوگا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ علی گڈھ کالج کے طلباء سے فرمایا تھا کہ مذہب اسلام یا قرآن پاک کی آیتوں میں آپ حضرات کو جو کچھ شکوک پیدا ہوں میرے پاس لکھ دیا کریں، میں ان شکوک کے جوابات آپ کو لکھا کروں گا حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ ان لوگوں سے اتنی سی بھی تکلیف گوارا نہ ہو سکی اگر وہ لوگ ایسا کرتے تو جدید علم کلام کا

ایک اچھا خاصا ذخیرہ تیار ہو جاتا "

اصل اعتبار خاتمہ کا ہے :-

کسی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا :-

کہ یقینی طور پر کسی کافر کو بھی دوزخی کہنا جائز نہیں اسی طرح کسی مسلمان کو یقینی طور پر جنتی کہنا بھی جائز نہیں ہے، ہاں اگر کافر کی موت کفر پر ہو تو اور مسلمان کی موت ایمان پر تو یقینی دوزخی اور جنتی کہنا جائز ہے۔ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے، کیا معلوم ہے کہ کس کی موت کس حالت میں آتی ہے، ایک شخص کی اچھی حالت ہوتی ہے، عمر بھر دیندار رہتا ہے مگر بعد میں کوئی ایسی بدعملی کر بیٹھتا ہے کہ ایمان کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور خاتمہ خراب ہو جاتا ہے، دوزخ کا مستحق بنتا ہے۔ ٹھیک اسی کے برعکس ایک شخص زندگی بھر کفر و شرک اور بداعمالیوں میں مبتلا رہتا ہے مگر آخری عمر میں ایمان کی توفیق مل جاتی ہے بخشش ہو جاتی ہے۔

حسن خاتمہ کا ایک واقعہ

اس سلسلہ میں ایک راجہ صاحب کا واقعہ بیان فرمایا کہ انہیں جب قرائن سے اس کا یقین ہو گیا کہ اب میں جانبر نہ ہو سکونگا اور اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہیں اس مایوسی کے عالم میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مرنے کے بعد میرے عزیز و اقربا میری لاش کو جلا ڈالیں گے پھر انہیں یہ خیال آیا کہ مسلمان اپنے مردوں کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، سپرد خاک کر دیتے ہیں اور ہندو اپنے مردوں کے ساتھ توہین آمیز حرکتیں کرتے ہیں، جلا بھون کر راکھ کا ڈھیر، اس تصور نے ان کے دل میں ایمان کا شوق پیدا کر دیا اور حق تعالٰی نے اہل ایمان کی عظمت کے بدولت انہیں بھی ایمان کی توفیق عطا کر دی، راجہ صاحب کے فوجی کمانڈر ایک مسلمان ہی تھے، فوراً انہیں بلایا اور یہ کہا کہ مجھ کو مذہب اسلام پسند آ گیا ہے، تم مجھ کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دو میں مسلمان ہوتا ہوں اور یہ ہدایت کی کہ میں اس مرض سے جانبر نہ ہو سکوں گا اس لئے تم فوراً ایک رسالہ طلب کرو اور میرے محل کا محاصرہ کر لو نیز میری زندگی میں ہی یہ اعلان کر دو کہ راجہ صاحب مسلمان ہو گئے ہیں ان کے انتقال کے بعد ان کی تجہیز و تکفین مسلمانوں کی طرح کی جائے گی۔ غیر مسلمین کو دست اندازی کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اگر کسی نے دست اندازی کی اس کی سرکوبی کی جائے گی۔"

چنانچہ اعلان کر دیا گیا، کچھ دیر بعد انکا انتقال ہو گیا اور اس مسلمان کمانڈر نے مسلمانوں کی طرح ان کی تجہیز و تکفین کر کے مسلمانوں کے قبرستان میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ سپرد خاک کر دیا۔

حسن خاتمہ کی فکر پر ایک واقعہ

ایک دوسرا واقعہ اسی ضمن میں بیان فرمایا کہ۔

ایک بزرگ تھے وہ بازار میں کسی کنجڑے کی دکان پر ترکاری خرید رہے تھے، از روئے مذاق اس کنجڑے نے پوچھا کہ آپ یہ تو بتلا دو کہ آپ کی داڑھی اچھی ہے یا میرے بکرے کی؟ جواب میں کہا کہ اس وقت جواب نہیں دوں گا پھر کبھی اس کا جواب دے دوں گا جس وقت ان کا وصال ہونے لگا، احباب کو وصیت کی کہ ہمارا جنازہ فلاں بازار میں فلاں کنجڑے کی دکان پر ہو کر گزارا جائے حالانکہ وہ راستہ قبرستان کا نہ تھا، لوگوں کو حیرت ہوئی کہ کیا معاملہ ہے، حسب وصیت لوگ اسی طرف سے جنازہ لے گئے جب جنازہ اس دکان پر پہونچا، کفن کھول کر اٹھ بیٹھے اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا، اے کنجڑے سن لے! اللہ تعالٰی کے فضل سے آج میری داڑھی تمہارے بکرے کی داڑھی سے بہت اچھی ہے، میں نے ایک دن تم سے وعدہ کیا تھا اس کا جواب پھر کبھی دوں گا، اس وقت مجھ کو اپنے خاتمہ کی فکر تھی معلوم نہیں ایمان پر ہوتا ہے یا نہیں، اس لئے میرے پاس اس وقت کوئی مناسب جواب نہ تھا۔

الحمدللہ آج ایمان پر خاتمہ نصیب ہوا ہے، اس لئے اب اطمینان سے کہتا ہوں الحمدللہ میری داڑھی اچھی ہے!

لوگوں نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ تو کنجڑے نے اپنی حماقت کا اقرار کیا اور سارا واقعہ تبلایا!

تو اصل اعتبار خاتمہ کا ہے: ذاکرین کو بھی اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے خود اگر ذکر و فکر نصیب ہو تو اپنے مقابلہ میں دوسرے کو ہرگز ہرگز حقیر نہ سمجھے، نہ کسی کا مذاق اڑائے۔ کیا معلوم ہے کہ تمہیں جو توفیق ملی ہے وہ سلب کر لی جائے اور جس پر تم ہنس رہے ہو اس کو یہ توفیق عطا ہو جائے اور تم تکتے ہی رہ جاؤ!

قدرت حق کا ایک نمونہ!

اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

ڈاکوؤں کا ایک گروہ تھا، جو ایک بڑے ڈاکو کے ماتحت برابر ڈاکے ڈالا کرتا تھا، یہ گروہ چالیس افراد پر مشتمل تھا، یہ سب کے سب کسی شہر میں گئے اور صوفیوں کا لباس پہن لیا، ڈاکوؤں کا سردار صوفیوں کا پیر بنا اور وہ سب کے سب اس کے بناوٹی چیلے کی طرح رہنے لگے، شہر میں بڑی شہرت ہوئی کہ بزرگوں کا ایک قافلہ آیا ہے، یہ شہر اپنے ملک کا دار السلطنت بھی تھا، اور بادشاہ وہیں رہتا تھا۔ اتفاق سے شاہزادہ بیمار پڑ گیا، ہر چند علاج معالجہ کیا گیا مگر صحت نہ ہو سکی، وزیر نے بادشاہ سے اس قافلہ اور درویش کا ذکر کیا کہ ان میں ایک بڑا کامل فقیر ہے جو کسی سے کچھ نہیں چاہتا ہے اسی سے رجوع کیا جائے بادشاہ نے سواری بھیجکر طلب کیا: ڈاکوؤں کا یہ سردار فقیرانہ لباس میں شاہی دربار میں پہونچا بادشاہ نے اس کا استقبال کیا شاہزادے کا حال کہا اور اسے دکھایا کہ کوئی تدبیر اس کی صحت کی فرمائیے۔ فقیر نے پانی منگوا کر وضو کیا، جا نماز بچھائی دو رکعت نفل پڑھی اور حق تعالیٰ سے عرض کیا، الٰہی میں جیسا کچھ ہوں اس کی انہیں تو خبر نہیں ہے مگر آپ کو تو سب خبر ہے، مگر بات یہ ہے کہ میں نے آپ کے مقبول بندوں کی وضع قطع اور لباس اختیار کر لیا ہے۔ جو آپ کو بھی پسند ہے بس انھیں مقبول بندوں کے طفیل میری یہ دعا قبول فرما لیجئے اور شاہزادے کو صحت عطا فرما کر میری لاج رکھ لیجئے!

حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور اس کا ظہور بھی فوراً ہو گیا۔ اسی وقت شاہزادہ اٹھ کر بیٹھا، اسے ہوش آ گیا اور رفتہ رفتہ بالکل تندرست ہو گیا، یہ فقیر وہاں سے واپس آیا راستہ میں اپنے اور حق تعالیٰ کے معاملہ کو سوچ کر دل میں ایک سخت چوٹ لگی، حق تعالیٰ کے فضل و احسان کا تصور اور اپنی نالائقی کا خیال غالب آ گیا، یہ خیال پیدا ہوا میری حالت ایسی ناگفتہ بہ اور پھر اس کے باوجود حق تعالیٰ کا یہ فضل کہ میری درخواست فوراً ہی قبول فرما کر مجھ کو عزت عطا فرمائی اور یہ فضل محض میری اس ظاہری صورت پر کہ میں نے ان کے مقبول بندوں سے تشبیہ پیدا کر لی ہے، بڑی احسان فراموشی ہو گی اگر اب بھی اپنے ظاہر و باطن میں فرق باقی رہنے دوں، فوراً دل سے توبہ کر لی اور جب قیام گاہ پر پہونچے تو اپنے ساتھیوں کو بلا کر کہا میں اب تمہارے کام کا نہیں رہا! پورا واقعہ تبلایا اور کہا کہ میں نے تو اب سچے دل سے تمام برائیوں اور خصوصاً اپنی ڈکیتی کے عمل سے توبہ کر لی ہے اور عزم کر چکا ہوں کہ بقیہ زندگی اپنے محبوب پروردگار کی اطاعت و بندگی میں گذاروں بس تم لوگوں پر زور بھی نہیں ڈالتا، تمہارا جو دل چاہے سو کرو مگر میں تو اب تمہارے کام کا رہا نہیں!

ساتھیوں نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ ہم لوگوں نے ہمیشہ سے آپ کی اطاعت کی ہے آپ کے ہر حکم کو مانا ہے، جب ایک بری بات ظلم و تعدی اور ڈاکہ زنی میں بھی ہم لوگ آپ کے فرماں بردار رہے، تو اب جب کہ آپ نے حق تعالیٰ کی پسندیدہ راہ اختیار کر لی ہے ایسی حالت میں ہم کیونکر آپ کو چھوڑ سکتے ہیں، اور سب نے

بقیہ صفحہ ۱۱ پر

ہم رسم تلک کو دنیا سے مٹا دیں گے

از مولانا محمد نبی اختر صاحب عزیزی مظفرپوری فاضل مظاہر علوم سہارنپور

شاہد اور راشد، ایک ہی مدرسہ کے دو طالب علم ہیں گرچہ دونوں ابھی کم عمر ہیں لیکن سمجھ بوجھ اچھی ہے اور کبھی کبھی آپس میں ایسی باتیں کرتے ہیں جو تمام لوگوں کے لئے یکساں مفید ہوتی ہیں۔

شاہد اور راشد روزانہ پابندی سے مدرسہ جاتے ہیں اور چھٹی کے بعد آپس میں دینی موضوع پر اظہار خیال بھی کیا کرتے ہیں۔

معمول کے مطابق راشد اور شاہد آج بھی مدرسہ پہنچ گئے، استاذ کو پڑھا ہوا سبق سنا کر سبق لے لیا اب ہر دو اس بات کی فکر میں تھے کہ جلد فرصت ملے تاکہ ہم دونوں آپس میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔

ٹھیک دس بجے چھٹی کی گھنٹی بجی اور تمام لڑکوں نے اپنا بستہ اٹھایا اور گھر کی طرف کھیلتے کودتے روانہ ہو گئے۔

مدرسہ کے احاطے سے باہر ہوتے ہی شاہد نے راشد سے سوال کر دیا راشد تماری عمر کیا ہوگی؟

راشد - ابا جان کہہ رہے تھے کہ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ تمہاری عمر کیا ہے تو بتلانا ۹ سال۔

راشد نے بھی شاہد سے پوچھا آپ تو بتائے کہ آپ کی عمر شریف کیا ہے۔

شاہد نے سوچ کر جواب دیا - ۱۰ سال ۶ مہینے ۷ دن۔

میری پیدائش کی تاریخ ابا کی ڈائری میں نوٹ ہے میں نے کل ہی دیکھا تھا۔

اب راشد کا سوال تعلیم کے بارے میں تھا۔

راشد شاہد سے - آئندہ آپ کون سی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

شاہد - میں ڈاکٹری پڑھوں گا۔ لیکن تمہارا کیا ارادہ ہے؟

راشد - میں اپنے متعلق اب تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا ہوں لیکن کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ بہت بڑا وکیل بنوں!

شاہد نے مسکراتے ہوئے کہا جب ہم دونوں جوان ہو کر اپنی تعلیم مکمل کر لیں گے تو جس اہتمام کے ساتھ ماجد بھیا کی شادی ہوئی تھی۔ ہم لوگوں کی بھی ہوگی۔

تلک میں کافی روپے ملیں گے تم کو معلوم ہے دو سال

(خواتین کے لئے)

سلام کی اولین معلّمہ

محترمہ حمیدہ بانو صاحبہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان و اسلام کی دولت سے مشرف ہو چکے تھے آپ نے اسلامی ماحول میں آنکھیں کھولیں بچپن آغوش صدیقی میں گذارا اور جب آپ ہوش و حواس کی منزل کو پہنچیں تو سایہ نبوت میں داخل ہو چکی تھیں۔

۹ سال کی عمر میں حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور ابھی عمر کی دو دہائی پوری نہ کرنے پائی تھیں کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تقریباً ۹ سال آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئیں لیکن اسی قلیل مدت میں علوم نبوی کے وہ خزانے جمع کر لئے جن کی مثال کسی دوسری صحابیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں نہیں ملتی۔ حدیثوں کی کتابیں آپ کی روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ شاید کوئی باب حدیث اور فقہ کا ایسا نہ ہوگا جس میں آپ سے کوئی حدیث یا روایات منقول نہ ہو جس باب کو دیکھئے اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کثرت سے نظر آتی ہیں۔

محدثین نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہم تک پہونچائے ہیں۔ تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے نمبر ایک مکثرین کا ہے یعنی جن لوگوں نے آپ سے روایت نقل فرمائے ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوہریرہ وغیرہ آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

آپ کو اللہ تعالےٰ نے انتہائی عقل و ذکاوت اور ذہانت و فراست عطا فرمائی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بہت فیض حاصل کیا صحابہ کرام آپ سے سوالات کرنے کی ہمت نہ رکھتے تھے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ حضور کی بے انتہا محبت کی وجہ سے سوالات کرنے سے کبھی نہیں جھجکتی تھیں۔ احادیث کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جس میں آپ کے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوال و جواب مذکور ہیں۔ قرآن پاک تفسیر ہو یا فقہی مسائل، سماجی مسائل ہوں یا شرعی احکام سب میں آپ کے سوالات اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کے جوابات منقول ہیں۔ بلکہ بہت سے مسائل تو ایسے ہیں جن کے علم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا منفرد ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کی خانگی زندگی کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو جب کوئی ایسی مشکل پیش آتی اور باہم کسی نتیجہ پر نہ پہونچ پاتے تو ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے دریافت کرتے اور ہم

کو اس کا اطمینان بخش جواب مل جاتا آپ سے علمی استفادہ کرنے والوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام بھی نظر آتے ہیں تقریباً دو سو صحابہ اور تابعین نے آپ سے استفادہ کیا ہے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت میں ہی آپ نے فتوی دینا شروع کر دیئے تھے ...... آپ کے دروازہ پر پردہ ڈال دیا جاتا عورتیں اور بچے جمع ہو جاتے اور باہر مردوں کا اجتماع ہوتا جن میں بہت سے جلیل القدر صحابہؓ بھی شرکت فرماتے ہر سال حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جاتیں اور ایام حج میں مستقل درس دیتی رہتیں جس میں دور دراز سے آنے والے حجاج شرکت کرتے لوگ سوالات کرتے اور آپ ان کے سوالات کے جوابات دیتیں دوسرے شہروں کے لوگ بھی خطوط کتابت کے ذریعہ آپ کے پاس استفتار بھیجتے اور آپ ان کے جوابات لکھواتیں آپ کا دولت کدہ مستقل دار الافتار بنا ہوا تھا۔

آپ کی خادمہ حضرت عائشہ بنت طلحہؓ آپ کی میر منشی اور کاتب تھیں۔

تفسیر و حدیث اور علم فقہ کے علاوہ آپ کو فرائض یعنی میراث اور شعر و ادب میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی کبھی کبھی میراث وغیرہ کے مسائل آپ سے دریافت فرمایا کرتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی خلافت کے زمانے میں جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا کوئی حل نہ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کسی کو بھیجکر اس کو حل کراتے،

آپ کو جاہلی شعراء کے بہت سے قصائد زبانی یاد تھے۔

فصاحت و بلاغت بھی آپ کی ضرب المثل تھی،

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں:

پہلے ماجد بھیا کی شادی ہوئی تھی تو انہیں ۲۲ ہزار روپے اور ساٹھ جوڑے گرم اور ٹیری کوٹن کے سوٹ ملے تھے۔

اب تو دو سال میں زمانہ بہت کچھ بدل گیا ہے۔ ہم لوگوں کو تو کم از کم تیس تیس ہزار تلک اور نو جوڑے سوٹ ضرور ہی ملیں گے۔ گھڑی، سائیکل، ریڈیو وغیرہ کا تو پوچھنا ہی کیا۔

راشد اگرچہ عمر میں چھوٹا تھا مگر تھا بہت سمجھدار۔ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے اس نے شاہد سے کہا۔

آپ تو ٹھیک فرما رہے ہیں لیکن معلوم بھی ہے ماجد بھیا کے خسر کو اپنی نصف جائداد بیچنی پڑی تھی سودی پر انہیں روپیہ لینا پڑا تھا جس کا اثر اب تک اس بیچارے پر ہے۔ قرض ادا نہ کر سکے جس کی وجہ سے غیروں کا طعنہ سن رہے ہیں، جو کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا آج سر پر چڑھ کر بولتا ہے۔

شادی بیاہ میں اس قسم کے لین دین کی ہماری شریعت اجازت نہیں دیتی اس قسم کی جو بھی بے جا فرمائش کرتے ہیں وہ ظالم سے کم نہیں آخر وہ سوچتے نہیں کہ ہم جس سے اس قسم کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ کل ہمارے ہی ہوں گے اگر آج وہ اپنی ساری دولت ہمارے حوالے کر دیں گے تو کل ان کے لئے کیا رہ جائے گا۔

آپ سوچئے کہ لین دین کا رواج کتنا غلط رخ اختیار کر چکا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کا تو یہ فرض ہے کہ اس قسم کے غلط رسم و رواج کی مخالفت کریں اگر اس وقت رسم و رواج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روکا گیا تو وہ زمانہ دور نہیں کہ والدین اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے لگیں ..

راشد کی اس مختصر سی بات کا شاہد پر بہت اچھا اثر پڑا اور دونوں نے طے کر لیا کہ ہم لوگ اس قسم کے رسم و رواج کی مخالفت کریں گے۔

(بچوں کے لئے) محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ

سلاموں کا تحفہ

دل میں شوق نبیؐ لب پہ ذکر نبیؐ
رہتی مجھ کو ہی ہر وقت فکر نبیؐ

دولتِ دین ہم کو ان ہی سے ملی
کم ہے جتنا بھی ہو مجھ سے شکر نبیؐ

کیسی سونی تھی بستی نہ تھے آپؐ جب
ہو گیا دم میں آباد شہر نبیؐ

کفر و ظلمت کی تاریکی سب ہٹ گئی
روشنی پھیلی آیا جو دورِ نبیؐ

راہ حق پہ چلا جو ہوا کامیاب
اور مضبوط پکڑے جو طور نبیؐ

ہے سلاموں کا تحفہ بھی پیش حضورؐ
اور درود دل کا ہدیہ بھی نذر نبیؐ

اب تو تسنیم کا ہے یہی مشغلہ
بس درود و سلام اور ذکر نبیؐ

بہ شکریہ رضوان سے

حضرات اہل خیر سے

مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوھدی بیلا ضلع دربھنگہ کی

اپیل

مسلمانو! میں صوبہ بہار کے شمالی حصہ کی ایک بہت ہی غیر معروف بستی پوھدی بیلا ضلع دربھنگہ میں عرصہ چودہ سال سے دینی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ مجھے اس بات کی مسرت ہے کہ میرا وجود مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت اور ایماء سے حضرت مولانا شاہ سراج احمد صاحب دامت برکاتہم امروہی کی سرپرستی میں اللہ کے چند بندوں کے ہاتھ عمل میں آیا۔ جنہوں نے ابتدائی طور پر چند چھوٹے چھوٹے کمروں کی ایک جھونپڑی ٹٹیوں سے گھری ہوئی کھڑی کر کے میری ابتدا کی۔ اس طرح ۱۳۷۴ھ میں میرا قیام ہوا۔ شروع میں چند بچوں نے میرے اندر قرآن پاک اور اردو میں دینی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔

حق تعالیٰ کو میرا وجود شاید پسند آ گیا اور دھیرے دھیرے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے بجائے تقریباً پونے دو بیگھے زمین کی وسعت میں مجھے منتقل کیا گیا۔ میرے لئے اس جدید سرزمین میں جو ہمارے پرانے مسکن سے بالکل ہی متصل ہے۔ مٹی کی دیواروں کے چند کمرے اہل خیر حضرات نے تیار کر دیئے۔ جس کے کچھ حصے کو تو خس دپوش کر دیا گیا اور کچھ حصے کو کھپریل، اس تبدیلی کو بھی کوئی آٹھ، دس سال ہو گئے ہوں گے۔

الحمد للہ میری ظاہری تبدیلی کے ساتھ میری باطنی تبدیلی بھی ہوئی۔ بچوں نے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیے، ناظرہ کی تعلیم تو پوری صحت کے ساتھ میری گود میں بہتوں نے حاصل کیا اور الحمد للہ ابھی بھی کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اردو، فارسی، عربی، ہندی، انگریزی، جغرافیہ، تاریخ وغیرہ بھی میرے اندر پڑھائی جانے لگی۔ اب تو اللہ کا شکر ہے۔ میرے پانچ بچے بڑے بڑے مدرسوں میں جا کر عربی کی پوری تعلیم حاصل کر کے سند فراغ پا چکے ہیں، جو مختلف مقامات پر دینی خدمات میں مشغول ہیں اور اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ دو بچوں نے ہماری گود میں قرآن پاک کو مکمل یاد کر لیا اور ہمارے یہ دونوں بچے چند سالوں سے محض لوجہ اللہ قرآن پاک، تراویحوں میں سُنا بھی رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہوگا کہ محض اپنے فضل و کرم سے روز افزوں میرے اندر ظاہری و باطنی تبدیلی پیدا فرماتے جا رہے ہیں اور عجب نہیں کہ میری ظاہری شکل و صورت بھی بہت ہی پسندیدہ ہو جائے۔ کیونکہ شعبان ۱۳۸۷ء میں میرے لئے ایک جدید دو منزلہ عمارت کی بنیاد میرے سرپرست اور اللہ کے ایک مقبول بندے حضرت مولانا شاہ سراج احمد صاحب دامت برکاتہم امروہی کے ہاتھوں ان گنت مسلمانوں کی دعاؤں کے ساتھ ڈالی گئی۔ میرے لئے جو عمارت بننے والی ہے، وہ انجینئروں کے تخمینہ کے مطابق تقریباً ایک لاکھ کی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اس چھوٹے سے دیہات میں اتنی عظیم الشان عمارت کیسے بن جائے گی؟ مگر میرا حال یہ ہے کہ اپنے روز افزوں تبدیلیوں کو دیکھ کر اس کا یقین ہو چکا ہے کہ جس اللہ نے مجھے تنگ زمین کی چھوٹی سی جھونپڑی سے نکال کر اتنی وسعت عطا فرمادی ہے اس کی رحمت و قدرت سے کچھ بھی دور نہیں ۔

مگر یہ حساب جاننے والے مجھے بہت تنگ کرتے ہیں، تو میں انہیں سمجھاتا ہوں کہ بھائی گھبرانے کی کیا بات ہے ۔ اگر ہندوستان کے چھ، سات کروڑ مسلمانوں میں سے صرف دس ہزار مسلمان بھی محض ایک ایک سو روپیہ کی رقم میری تعمیر کے لئے بھیجدیں گے، تو ہنستے کھیلتے ہمارے لئے مجوزہ عمارت تیار ہو جائے گی ۔ ہاں یہ بھی سننے چلئے کہ کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں، جو اس دو منزلہ عمارت کا ایک ایک کمرہ اپنی ذات خاص سے بنا دینے کا وعدہ فرما چکے ہیں ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق دی تو چند کمرے تو اسی طرح بن جائیں گے ۔ آپ سے ہو سکے، تو ہماری تعمیر میں سو روپیہ کا حصہ لے لیجئے اور اگر یہ نہ ہو تو جتنے سے بھی شرکت کیجئے اور لیجئے صاحب! آپ پیسے بالکل نہ دے سکتے ہوں، تو دعاؤں میں تو آپ کا کچھ خرچ نہیں ہے ۔ میری بقا، تعمیر، استحکام اور افادہ کے لئے بارگاہ حق میں دعا ہی فرماتے رہیئے ۔ مجھے اس کی بھی ضرورت ہے اور بس ۔

میں ہوں آپکا دیرینہ خادم

مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوکھری بیلا

میری تمام رقمیں میرے ناظم صاحب کے پتہ پر بھیجیں

اطلاع　　اطلاع

برائے مسلمانان کلکتہ و بمبئی

مدرسہ اشرفیہ عربیہ، پوکھری، بیلا ضلع دربھنگہ کا کوئی سفیر چندہ وصول کرنے والا نہیں ہے ۔ اس لئے ہماری طرف سے رمضان المبارک کے مہینہ میں کسی سفیر کو نہیں بھیجا جاتا ہے ۔ امسال (یعنی) رمضان المبارک ۸۸ھ میں ذمہ داران مدرسہ نے یہ طے کیا ہے کہ بمبئی اور اس کے مضافات میں محمد حسین نائب ناظم مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوکھری، بیلا کو اور کلکتہ، آسنسول اور ان کے مضافات میں جناب مولانا محمد عین الحق صاحب مدرس مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوکھری، بیلا ضلع دربھنگہ کو اہل خیر حضرات کی خدمت میں بھیجا جائے ۔ ہم تمام ہمدردان مدرسہ سے درخواست کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا شہروں اور ان کے مضافات میں مذکورہ حضرات کے علاوہ کسی صاحب کو اس مدرسہ کی رقم ہرگز نہ دیں، جو صاحب ہمارے مدرسہ کی رسید پیش کریں، انہیں پولس کے حوالہ کر کے مدرسہ کی اعانت فرمائیں ۔

مذکورہ دونوں حضرات کو تعارفی خط لکھ کر روانہ کر دیا گیا ہے ۔ اسے بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

حکیم عبد المنان الصدیقی صدر

و دیگر اراکین مدرسہ اشرفیہ عربیہ ۔ پوکھری بیلا ضلع دربھنگہ (بہار)

Nove. 1968 **Regd. No.**

The ASHRAFUL - IRFAN *Monthly*

At /& P.o. POHADDI BELA, Via - K. NADIAMI, Distt. DARBHANGA

An Urdu Widely Circulated Monthly of Bihar

...abel Litho Press, Patna—4